مکّہ کے مکانوں کے کرایہ کا مسئلہ

ریاض الحسن نوری

تمام آئمہ کرام اس پر متفقہ طور پر دلیل لاتے ہیں کہ قرآن و سُنّت اور اجماع سے اجرت پر کام کرنا اور مکان ۔ زمین ۔ سواری کا جانور وغیرہ کرایہ پر دینا جائز ہے ۔ مثلاً مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی اس کے قائل ہیں کہ کرایہ کتاب وسُنّت اور اجماع سے ثابت ہے وہ لکھتے ہیں:

الاصل فی جواز الاجارة الکتاب، والسنة، والاجماع اما الکتاب فقول اللّٰہ تعالیٰ: "فان ارضعن لکم فآتوھن اجورھن" وقال تعالیٰ: "قالت: احداھما یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین، قال: انی ارید ان انکحك احدی ابنتیّ ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج۔" وروی ابن ماجة فی سننه عن عتبته بن الندد، قال: کنا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، فقرا طاسین، حتی اذا بلغ قصّة موسیٰ، قال: "ان موسیٰ علیه السّلام اجر نفسه ثمانی حجج او عشرا علی عفة فرجه۔ وطعام بطنه" واما السنة فقد ثبت ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم استاجر رجلا من بنی الدیل ھادیا خریتا

مزید دونوں بزرگ المغنی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمارے علم کی حد تک علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مکانوں اور مویشیوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور ابن المنذر نے اجماع نقل کیا ہے:۔

لاخلاف بين اهل العلم فى اباحة اجارة العقار۔ قال ابن المنذر: اجمع كل من تحفظ عنه من اهل العلم على ان استنجار المنازل، والدواب جائز، ولا نجوز اجارتها الا فى مدة معلومة معينة، ولا بد من مشاهدته، و تحديده۔ فانه لا يصير معلوما الا بذلك، ولا يجوز اطلاقه، ولا وصفه، وقال اصحاب الراى: له خيار الروية، كقولهم فى البيع "المغنى" (۶ - ۲۱)

السید سابق قرآن وسُنّت اور اجماع سے کرایہ یعنی اجارہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ۔

الاجارة مشروعة بالكتاب والسنة والاجماع۔

يقول الله سبحانه وتعالى:

۱۔ "اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحنُ قسمنا بَيْنَهُمْ معيشتهُمْ فِى الحياةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فوقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ليتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سخريا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُوْنَ"[۱]

ويقول جل شانه:

۲۔ وَاِنْ اَرَدْتُمْ اَنْ تستر ضعوا اَوْلَادَكُمْ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اٰتَيتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ"[۲]

---

[۱] سورة الزخرف آية: ۳۲ [۲] سورة البقرة آية: ۲۳۳۔

ويقول عزوجل:

٣ - " قالت احداهما : يَاأَبَتِ استاجرهُ ، إِنَّ خَيْرَمن استاجَرْتَ القوى الامين ، قال : إِنِّي أُرِيْدُ اَنْ انْكحَكَ احدى ابنتى هاتين على ان تاجرنى ثمانى حِجَجٍ فان أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ، وَمَا اريد ان اشقّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِن شَآءَ اللهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ " [1]

وجاء فى السنة ما ياتى :

● - روى البخارى ان النبىّ صلى الله عليه وسلم استاجر رجلامن بنى الديل [2] يقال له : عبد الله ابن الاريقط ، وكان هاديا خريتا اى ماهرًا -

● - وروى ابن ماجه ان النبىّ صلى الله عليه وسلم قال :

" اعطوا الاجيراجره قبل ان يجف عرقه "

● - وروى احمد وابو داود والنسائى عن سعدبن ابى وقاص رضى الله عنه قال :

" كنا نكرى الارض بما على السواقى من الزرع "

فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك وامرنا ان نكريها بذهب او ورق !

● - وروى البخارى ومسلم عن ابن عباس ان النبىّ صلى الله عليه وسلم قال :

" احتجم واعطى الحجام اجره "

---

[1] سورة القصص الايتان : ٢٦ ، ٢٧

[2] حى من عبد قيس -

وعلى مشروعية الاجارة اجمعت الامة ، ولا عبرة بمن خالف هذا الاجماع من العلماء۔ حكمة مشروعيتها :

وقد شرعت الاجارة لحاجة الناس اليها ، فهم يحتاجون الى الدور للسكنى و يحتاج بعضهم لخدمة بعض ، و يحتاجون الى الدواب للركوب والحمل ، و يحتاجون الى الارض للزراعة ، والى الآلات لاستعمالها فى حوائجهم المعاشية۔

یعنی اجارہ یا کرایہ شریعت میں کتاب ۔ سُنّت اور اجماع سے ثابت ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں !

کیا یہ لوگ تمہارے ربّ کی رحمت تقسیم کرتے ہیں (حالانکہ) اس دنیا کی زندگی میں توان کی معیشت کا سامان ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیا ہے اور بعض کے درجے بعض پر بلند کر دیے ہیں تاکہ یہ ایک دوسرے سے کام لیں اور تمہارے ربّ کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں !

اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی انا سے) دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کچھ گناہ نہیں ہے بشرطیکہ (ماؤں کی حق تلفی نہ ہو اور) جو کچھ تم نے انہیں دستور کے مطابق دینا کیا ہے ۔ ان کے حوالے کر دو .... الخ ۔ مزید ارشاد ہوتا ہے :

ان دو عورتوں میں سے ایک نے (اپنے باپ سے) کہا ۔ ابا جان اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے ۔ بہترین نوکر جسے آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو اور اس شخص میں ظاہراً دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں ۔ اس پر لڑکیوں کے باپ نے موسیٰؑ سے کہا " میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ برس تک میرے ہاں ملازمت کرو اور تم دس برس پورے کر دو تو یہ تمہاری مرضی ہے ۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔

پھر صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی الدیل قبیلہ کے ایک شخص کو جو راستوں کا ماہر تھا ملازم رکھا ۔ پھر ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام سے فرمایا کہ مزدور یا ملازم کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

مزید امام احمد۔ ابو داؤد۔ والنسائی حضرت سعد بن وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ ہم زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اس پیداوار کے بدلے جو نالیوں کے کناروں پر ہو اور جس پر پانی خود بخود پہنچ جائے۔ تو منع کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اور حکم کیا ہم کو زمین کے کرایہ پر دینے کا سونے یا چاندی کے بدلے میں۔

مزید سید سابق نے حجام کی اُجرت سے متعلق حدیث بیان کی ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ اجارہ کے جواز پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اس اجماع کے خلاف کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔

سید سابق نے زمین کے کرایہ کے سلسلے میں جو حدیث ذکر کی ہے چونکہ وہ مکمل نہیں۔ اس لیے اب ہم زمین کے کرایہ سے متعلق چند مختصر احادیث بیان کر کے مسئلہ کو تھوڑا سا واضح کرتے ہیں۔

زمین کا کرایہ بصورت نقد ٹھیکہ یا مزارعت

وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهٖ إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَاَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَاَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ فَأَمَّا شَيْءٌ مَعْلُوْمٌ مَضْمُوْنٌ فَلَا بَأْسَ بِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْهِ بَيَانٌ لِمَا أُجْمِلَ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ إِطْلَاقِ النَّهْيِ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ۔

ترجمہ: حضرت حنظلہ ابن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو دینار دراہم کے عوض کرایہ پر دینے کے متعلق مسئلہ دریافت کیا انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم

کے عہد مبارک میں لوگ زمین کو اس پیداوار کے عوض دیتے جو پانی کی نالیوں اور بھاؤ کی جگہ پر پیدا ہو۔ اس صورت میں ایسا ہوتا کہ کبھی یہاں پیدا ہوتا وہاں نہ پیدا ہوتا۔ کبھی وہاں پیدا ہوتا یہاں نہ پیدا ہوتا اس لیے حضور انورؐ نے اس طرح کرایہ پر دینے سے (جہالت کی بنا پر) منع فرما دیا تھا لیکن اگر کسی شے معلوم متعین مضمون کے ذریعہ کرایہ پر دی جائے تو بالکل جائز ہے۔ بروایت مسلم شریف اس حدیث میں ان تمام احادیث کی تفصیل ہے جن احادیث میں زمین کو کرایہ پر دینے کا بغیر کسی تفصیل کے ممنوع ہونا ذکر کیا گیا ہے۔

وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْمُزَارَعَۃِ وَاَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَۃِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ اَیْضًا۔

ترجمہ: حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خود) کھیتی کرنے سے منع فرما دیا تھا اور زمین کو کرایہ پر دینے کا حکم فرما دیا تھا۔[1]

ابن حزم اور مزارعت پر اجماع

ابن حزم نے المحلی میں مزارعت کے جواز کے سلسلے میں بڑا مفصل کلام کیا ہے۔ مزید الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۵۳۰ - ۵۳۱ پر اجماع کی بحث میں لکھا ہے کہ سب سے مثالی اور یقینی اجماع مزارعت پر اجماع ہے اور وہی اجماع قابل قبول ہے جو مزارعت کی طرح حتمی طور سے سنّت سے ثابت ہو جائے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

---

[1] اس حدیث میں مزارعت کے ممنوع ہونے سے مراد وہی طریقہ ہے جو حضرت رافع کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ زمین کی اجرت زمین کے کسی خاص حصّہ کی پیداوار مقرر نہ کی جائے۔ مواجرت سے مراد یہ ہے کہ یا تو زمین دراہم و دینار متعینہ کے عوض دی جائے یا پیداوار ہی کا حصّہ مقرر کر دیا جائے لیکن یہ حصّہ متعیّن ہو مثلاً ایک من یا دو من یا چوتھائی یا نصف پیداوار زمین کے کسی خاص حصّہ کی پیداوار کرایہ میں مجہول طور پر نہ مقرر کی جائے۔

والثانی : شی یوقن بالنقل المتصل الثابت ، ان رسول اللہ (ص) علمه وفعله جمیع من بحضرته ومن کان مستضعفا او غائبا بغیر حضرته کفتح خیبر واعطاته ایاها بعد قسمتها علی المسلمین للیهود علی ان یعملوها باموالهم وانفسهم ولهم نصف ما یخرج منها من زرع او تمر ، علی ان المسلمین یخرجونهم متی شاءوا وهکذا کل ماجاء هذا المجی، فهو اجماع مقطوع علی صحته من کل مسلم علمه او بلغه ، علی انه قد خالف فی هذا بعد ذلك من وهم واخطا ،

علامہ وحید الزمان ابو داؤد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ۔ زمین کا کرایہ دینا چاندی یا سونے کے بدلے میں تو بالاتفاق درست ہے دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (علام)

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ نَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِکْرِمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَبِیْبَةَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ کُنَّا نُکْرِی الْاَرْضَ بِمَا عَلَی السَّوَاقِیْ مِنَ الزَّرْعِ وَسَعِدَ بِالْمَاءِ مِنْهَا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ وَاَمَرَنَا اَنْ نُکْرِیَهَا بِذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ ؁

ترجمہ : عثمان بن ابی شیبہ ، یزید بن ہارون ، ابراہیم ، محمد بن عکرمہ ، محمد بن عبدالرحمٰن ، سعید بن مسیب ، سعد سے روایت ہے ، کہ ہم زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اس قدر پیداوار کے بدلے میں جو نالیوں کے کناروں پر ہو اور جس پر خود بخود پانی پہنچ جائے ، تو منع کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اور حکم کیا ہم کو زمین کے کرایہ پر دینے کا سونے یا چاندی کے بدلے میں ؁

حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُوْسٰی الرَّازِیُّ اَنَا عِیْسٰی نَا الْاَوْزَاعِیُّ وَحَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ نَا لَیْثٌ کِلَاهُمَا عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَاللَّفْظُ لِلْاَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ حَنْظَلَةُ بْنُ قَيْسٍ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهَا اِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَاَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَاَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ اِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ فَاَمَّا شَيْءٌ مَّضْمُوْنٌ مَّعْلُوْمٌ فَلَا بَأْسَ بِهٖ وَحَدِيْثُ اِبْرَاهِيْمَ اَتَمُّ وَقَالَ قُتَيْبَةُ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ رَافِعٍ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ رِوَايَةُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ نَحْوَهٗ ؛

ترجمہ ؛ ابراہیم بن موسیٰ الرازی، عیسٰی، الاوزاعی (دوسری سند) قتیبہ بن سعید، لیث، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حنظلہ بن قیس انصاری سے روایت ہے، کہ میں نے رافع بن خدیج سے پوچھا زمین کرایہ پر دینے کے باب میں سونے چاندی کے بدلے تو انہوں نے جواب دیا اس میں کچھ مضائقہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ اجارہ کرتے تھے پانی رو اور نالوں کے سرے اور کھیتی کی جگہوں پر تو کبھی یہ ہلاک ہوتا اور وہ سلامت رہتا اور کبھی وہ ہلاک ہوتا اور یہ سلامت رہتا، سوا اس کے لوگوں میں اور کرایہ جاری نہ تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور جو چیز محفوظ اور مامون ہو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ابراہیم کی روایت مکمل ہے اور قتیبہ نے عن حنظلہ عن رافع کہا ہے ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یحیٰی بن سعید کی حنظلہ سے اسی طرح روایت ہے ؛

فائدہ ؛ یعنی جب پانی کی طغیانی ہوتی تو جو زمین اور نہروں کے کنارہ پر ہوتی وہ ڈوب جاتی اور جو اونچی زمین ہوتی وہ بچ رہتی اور جب خشکی ہوتی تو پہلے کے خلاف نیچے کی فصل عمدہ ہوتی اور اونچی زمین کی فصل خراب ہوتی ۔

غرضیکہ ناجائز شرطوں کی وجہ سے معاملے کو منع کیا ۔ اگر ایسی غلط شرائط نہ ہوں تو مزارعت بھی جائز ہے اور نقد ٹھیکہ کے جواز پر آئمہ اربعہ اور تمام محدثین بھی متفق ہیں ۔ امام احمد۔ ابن قیم ابن حزم سب مزارعت کو ترجیح دیتے ۔

امام احمد اور کرایہ

ہم تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ۔ بات یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی علماء نقد ٹھیکے اور مزارعت دونوں طریقوں کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ امام احمد بن حنبلؒ آئمہ فقہ میں سب سے بڑے ماہر حدیث تھے ۔ وہ بھی دونوں طریقوں کو جائز قرار دیتے تھے ۔ مکانوں کا کرایہ وہ خود وصول کرتے تھے اور اسی پر گذر تنگی ترشی سے کرتے تھے۔ خلفاء کی عطایا کو اول تو مشکوک سمجھ کر قبول نہ کرتے ۔ اگر کبھی بامر مجبوری قبول کرتے تو اپنی ذات پر خرچ نہ کرتے بلکہ خیرات کر دیتے ۔ ان زاہد متقی ۔ پرہیز گار امام کے نزدیک مکان کا کرایہ بہت ہی عمدہ کمائی تھی ۔ اب ہم اس سلسلے میں ان کی سوانح جو ابو زہرہ نے لکھی ہے۔ اس کے ترجمہ سے کچھ حوالے نقل کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کا رد ہو سکے جو دورِ جدید میں سوشلزم سے متاثر ہو کر یہ کہنے لگے ہیں کہ مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔

امام صاحب کی جائیداد اور اس کی آمدنی

امام احمدؒ کے والد ماجد نے جو تھوڑی بہت جائیداد چھوڑی تھی ، اس کے کرایہ پر وہ اپنی زندگی بسر کرتے تھے ۔ مناقب ابن جوزی میں آیا ہے ۔

امام احمدؒ کے والد نے کپڑے بننے کا ایک کارخانہ ترکہ میں چھوڑا تھا ۔ اس کے کرایہ پر امام صاحب کی گزر بسر ہوتی تھی ، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ لوگوں سے کرایہ نہیں لیتے تھے معاف کر دیتے تھے ، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس کچھ دکانیں تھیں جنہیں انہوں نے کرایہ پر چڑھا دیا تھا ، چنانچہ حلیۃ الاولیاء میں ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں :

"امام احمدؒ کے ہاتھ سے ایک قینچی کنوئیں میں گر پڑی ، اتنے میں ان کا ایک کرایہ دار آیا ، اس نے وہ کنوئیں سے نکالی اور حوالہ کر دی ، امام صاحب نے قینچی لے کر اسے نصف درہم کے لگ بھگ ایک رقم دی ، اس نے یہ کہہ کر رقم لینے سے انکار کر دیا کہ قینچی ایک قیراط کے برابر تو ہو گی اس کا معاوضہ کیا لوں ؟ اتنا کہہ کر

وہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد امام صاحب نے اس سے دریافت کیا "
" دوکان کا کرایہ کتنے دنوں کا تم پر باقی ہے "؟
اس نے کہا ،
تین ماہ کا ! ـــــــ یہ دوکان تین درہم ماہوار پر اس کے پاس تھی۔ اس نے تین ماہ کا کرایہ ادا نہیں کیا تھا۔ امام صاحب نے اس کو کرایہ معاف کر دیا۔!

اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک تو امام صاحب کسی کا بار احسان نہیں اٹھاتے تھے اور اگر کسی کے ممنون ہوتے تھے تو دگنا تگنا معاوضہ کر دیتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ دوکانوں کے مالک تھے جو کرایہ پر اٹھا رکھی تھیں۔ ان سے اگرچہ فارغ البالی تو حاصل نہیں تھی۔ لیکن لشتم پشتم گزر ہو ہی جاتی تھی، اس بات میں اختلاف ہے کہ ان دوکانوں کا کرایہ کم آتا تھا ، یا زیادہ ابن کثیر کا اس سلسلہ میں بیان ہے کہ ــــ :۔

امام احمد کو اپنی جائیداد کے کرایہ سے جو آمدنی ہوتی تھی ، وہ سترہ درہم ماہوار تھی جسے وہ اپنے اہل و عیال پر صرف کرتے تھے ، اور اسی پر قناعت کرتے ہوئے صبر و شکر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے !

ایک آدمی نے امام احمدؒ سے اس جائیداد کے بارے میں جس کے کرایہ پر ان کا مدار معاش تھا۔ اور اس مکان کے بارے میں جہاں وہ بود و باش رکھتے تھے دریافت کیا ، انہوں نے جواب دیا ، یہ وہ چیز ہے جو مجھے اپنے والد سے ورثہ میں ملی ہے۔ اگر میرے پاس کوئی شخص آئے اور ثابت کر دے کہ یہ اس کی ہے کہ تو بے تامل میں اسے سونپ دوں گا !

امام اعظم تابعی کا مسلک کہ سواری کے جانور کا کرایہ اور مکان کا کرایہ ایک جیسا ہے

امام ابو یوسفؒ یعنی امام ابو حنیفہؒ کے سینیئر ترین شاگرد جو بعد میں امام محمد کے بھی استاد بنے۔ لکھتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ایک مکان ایک ماہ کے لیے کرایہ پر لے مگر دو ماہ اس میں گذار دے یا ایک شخص سواری کا جانور ایک مقررہ مقام تک جانے کے لیے کرایہ پر لے لیکن پھر مقررہ مقام سے جانور کو آگے لے جائے۔ ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقررہ وقت یا مقام کے لیے تو کرایہ لیا جائے گا۔ لیکن آگے کے لیے کرایہ کی جگہ اس سے ہرجانہ لیا جائے گا۔ کیونکہ کرایہ اور ہرجانہ دونوں چیزیں جمع نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے برعکس ابن ابی لیلی فرماتے تھے کہ اس سے آگے کا بھی کرایہ لیا جائے گا اگر مکان یا جانور کو نقصان نہ پہنچا ہو لیکن اگر نقصان پہنچا ہو تو ہرجانہ لیا جائے گا۔ ہرجانہ کی صورت میں کرایہ نہیں لیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ ہماری رائے امام ابوحنیفہ کی رائے سے مطابقت رکھتی ہے۔

اب اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قال : و اذا استاجر الرجل بيتا شهرًا يسكنه فسكنه شهرين او استاجر دابة الى مكان فجاوز بها ذلك المكان، فان ابا حنيفة رضى الله عنه كان يقول: الاجر فيما سمى ولا اجر له فيما لم يسم ، لانه قد خالف وهو ضامن حين خالف ولا يجتمع عليه الضمان والاجرة ، وبهذا ناخذ . وكان ابن ابى ليلى يقول : له الاجر فيما سمى ، وفيما خالف ان سلم، وان لم يسلم ذلك ضمن ولا نجعل عليه اجرا فى الخلاف اذا ضمنه (اختلاف ابى حنيفة وابن ابى ليلى مولفہ ابو یوسف)

یہاں ہم یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ امام ابوحنیفہ مکانوں کے کرایہ کو بالکل جائز سمجھتے تھے اور مکہ کے مکانوں کے کرایہ کو صرف حج کے موسم میں حاجیوں سے لینے کو تبرعًا مکروہ سمجھتے تھے ورنہ مکہ میں عام رہائش اختیار کرنے والوں سے مکانوں کا کرایہ لینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکہ میں بھی جائز تھا۔ امام محمد بھی ان کے ہم خیال ہیں اور امام ابویوسف تو عین حج کے دوران حاجیوں سے کرایہ لینے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی انشاءاللہ۔ امام شافعی

اور امام احمدؒ بھی یہی نظریہ رکھتے تھے۔
مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوگیا کہ جس طرح کرایہ کے جانور رکھنا اور ان کو کرایہ پر چلانا جائز ہے اسی طرح کرایہ کے لیے مکان بنانا اور ان کو کرایہ پر چڑھانا بالکل جائز ہے۔ یہ کمرشل تجارت ہے اور اس میں قطعاً کوئی ہرج نہیں۔

تاریخ اسلامی سے پتہ چلتا ہے کہ متقی ترین لوگ بھی کرایہ وصول کرتے رہے ہیں اور مکانوں کے کرایوں کو حلال ترین رزق سمجھتے رہے ہیں۔ مثلاً نورالدین زنگی اور بعض دیگر سلطان جو بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے ان کا گزر مکان کے کرایہ سے چلتا تھا۔ غرضیکہ مکان کے کرایہ کا جواز ایک اجماعی مسئلہ ہے جو قرآن و سُنّت سے ثابت ہے۔ اختلاف صرف مکہ کے مکانوں کے کرایہ سے متعلق ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ دوسرے مقامات کے کرایہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

مکہ کے مکانوں کے کرایہ کا مسئلہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَاد ..... الخ

(سورۃ الحج - ۲۵)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور مسجد حرام کی زیارت سے۔ جسے ہم نے یکساں (بلاامتیاز) تمام لوگوں کیلیے بنایا ہے۔ مقامی ہوں یا باہر سے آنے والے۔ تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ انہیں اور ہر اس شخص کو جو اس مسجد حرام میں ازرہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا۔ ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مکہ بلد الحرام ہے اور اس مقام کا اتنا تقدس ہے کہ یہاں مچھر یا جوں بھی ماری نہیں جاسکتی۔ یہاں کی جھاڑی بھی منع ہے گویا یہاں کے قوانین باقی تمام

شہروں سے مختلف ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں فقہاء کی بہت بڑی تعداد اس کی قائل ہے کہ مکہ کے مکان نہ خریدے جا سکتے ہیں نہ بیچے جا سکتے ہیں۔ نہ ان کا کرایہ لینا جائز ہے اس مسئلہ پر تمام تفاسیر اور حدیث و فقہ کی کتابوں میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں اس پر جامع اور مختصر گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں مکہ کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں کے درمیان برابری کا کیا مطلب ہے؟ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ برابری مکہ کے مکانوں میں قیام سے متعلق ہے۔ مقامی اور مسافر اس سلسلے میں برابر ہیں۔ جو پہلے آ جائے اور جہاں جگہ خالی دیکھے ٹھہر جائے۔ یہ قول قتادہ۔ سعید بن جبیر کا ہے ان کے نزدیک مکہ کے مکانوں کا کرایہ وصول نہیں کیا جا سکتا اور نہ مکان بیچا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنا حرام ہے اور ان کی دلیل یہی آیت قرآنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مکہ کے مکانوں کی ملکیت جائز ہوتی تو قیام کے سلسلے میں مقامی اور مسافر برابر نہ ہوتے۔ گویا مکہ کا پورا شہر مسجد کی طرح ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اس حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں کہ مکہ ہر اس کے لیے مباح ہے جو پہلے آکر ٹھہر گیا (مكة مباح لمن سبق اليها) یہ رائے ابن عمرؓ۔ عمر بن عبد العزیز، ابو حنیفہ اور اسحٰق الحنظلی رضی اللہ عنہم کی ہے۔ ان کے نزدیک مسجد الحرام سے مراد حرم کا پورا علاقہ ہے۔ مسجد الحرام کہہ کر پورا شہر مراد لینا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یہاں سے بات ثابت ہو گئی۔ عاکف سے مراد مقامی ہے۔ جو مکہ میں مقیم اور اقامت مسجد میں نہیں بلکہ مکان یا منزل میں ہوتی ہے۔ پس مسجد سے مطلب مکہ ہے۔

دوسرے اصحاب کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ برابری سے مطلب مسجد میں عبادت کرنا ہے۔ مقیم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ باہر سے آنے والے کو عبادت سے روکے اور نہ باہر سے آنے والے کو یہ حق ہے کہ وہ مقامی کو حرم میں عبادت سے روکے۔ وہ حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اے بنی عبد مناف تم میں سے جو والی بنے تو اس کو اس کا حق نہیں کہ وہ کسی کو اس گھر کے

طواف سے روکے یا دن یا رات میں سے کسی بھی وقت کسی نماز پڑھنے سے روکے ۔ یہ قول حسن ۔ مجاہد اور ان لوگوں کا قول ہے جو کہ مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت کو جائز سمجھتے ہیں ۔

اس سلسلے میں امام شافعیؒ اور اسحٰق الحنظلی بن مکہ کے مقام پر ہی مناظرہ بھی ہوا ۔ امام اسحٰق مکہ کے مکانوں کے کرایہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے ۔ امام شافعیؒ نے قرآن کی اس آیت کو دلیل بنایا (الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق) یعنی وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بغیر حق کے نکالے گئے ۔ یہاں گھروں کی اضافت مالک اور غیر مالک کی طرف کی گئی ہے ۔ مزید فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا وہ مامون ہوگا ۔ مزید جناب اقدس نے فرمایا جب کہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں فروکش ہونگے تو آپ نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے ٹھہرنے کو کوئی گھر چھوڑا ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں جیل خانہ بنانے کے لیے گھر خریدا ۔ اب بتلایئے کہ یہ مکان جو انہوں نے خریدا تو مکان کے مالک سے خریدا تھا یا غیر مالک سے ۔ اس پر اسحٰق نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ۔ دوسری چیز لفظ عاکف ہے ۔ عاکف سے مسجد کا ملازم بھی مراد ہو سکتا ہے اور ایسا معتکف بھی جو دائمی طور سے مسجد میں اعتکاف کر رہا ہو ۔ پھر عاکف سے مسجد کا پڑوسی بھی مراد ہو سکتا ہے لے

رازی کی اصل عبارت یوں ہے :

(المسالة الثالثة) اختلفوا فی انهما فی ای شیء یستویان قال ابن عباس رضی الله عنهما فی بعض الروایات انهما یستویان فی سکنی مکة و النزول بها فلیس احد هما احق بالمنزل الذی یکون فیه من الآخر الا ان یکون واحد سبق الی المنزل وهو قول قتادة و سعید بن جبیر و من مذهب هولاء ان کراء دور مکة وبیعها حرام واحتجوا علیه بالآیة والخبر، اما الآیة فهی هذه قالوا ان ارض مکة لا تملك فانها لو ملکت لم

يستو العاكف فيها والبادى، فلما استويا ثبت ان سبيله سبيل المسجد، واما الخبر فقوله عليه السّلام "مكة مباح لمن سبق اليها" وهذا مذهب ابن عمر و عمر ابن عبد العزيز ومذهب ابي حنيفة واسحٰق الحنظلى رضى الله عنهم وعلى هذا المراد بالمسجد الحرام الحرم كله لان اطلاق لفظ المسجد الحرام والمراد منه البلد جائز بدليل قوله تعالىٰ (سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام) وههنا قد دل الدليل وهو قوله (العاكف) لان المراد منه المقيم اقامة، واقامته لاتكون فى المسجد بل فى المنازل فيجب ان يقال ذكر المسجد واراد مكة (القول الثانى) المراد جعل الله النّاس فى العبادة فى المسجد سواء ليس للمقيم ان يمنع البادى و بالعكس قال عليه السّلام " يا بنى عبد مناف من ولى منكم من امور النّاس شيئًا فلا يمنعن احدًا طاف بهذا البيت اوصلى اية ساعة من ليل او نها "[له] وهذا قول الحسن ومجاهد وقول من اجاز بيع دور مكة. وقد جرت مناظرة بين الشافعى واسحٰق الحنظلى بمكة وكان اسحٰق لايرخص فى كراء بيوت مكة، واحتج الشافعى رحمه الله بقوله تعالىٰ. (الّذين اخرجوا من ديارهم بغير حق) فاضيفت الدار الى مالكها والى غير مالكها، وقال عليه السّلام يوم فتح مكة " من اغلق بابه فهو امن " وقال صلى الله عليه وسلم "هل ترك لنا عقيل من ربع " وقد اشترى عمر بن الخطاب رضى الله عنهما دار السجن و اترى انه اشتراها من مالكها او من غير مالكها؟ قال اسحٰق: فلما علمت ان الحجة

قد لزمتنی ترکت قولی۔ اما الذی قالوممن حمل لفظ المسجد علی مکة بقرینة قوله العاکف، فضعیف لان العاکف قد یراد به الملازم للمسجد المعتکف فیه علی الدوام، او فی الاکثر فلا یلزم ما ذکروہ، و یحتمل ان یراد بالعاکف المجاور للمسجد المتمکن فی کل وقت من التعبد فیه فلا وجه لصرف الکلام عن ظاهرہ مع هذہ الاحتمالات۔

ابن حزم کا موقف

ابن حزم المحلی ج ۷ میں لکھتے ہیں۔

مسالة — وملك دور مكة وبیعها و اجارتها جائز؛ وقد روینا عن عبد الله ابن عمرو بن العاص انه قال: لا یحل بیع دورها ولا اجارتها، ومنع عمر بن عبد العزیز من کرائها، وروینا عن عمر المنع من التبویب علی دورها، وروینا فی ذلك خبرین مرسلین لا یصحان، وهو قول اسحاق بن راهویه●
قال علی: قد ملك الصحابة بها دورهم بعلم رسول الله علیه السّلام فلم یمنع من ذلك وکل من ملك ربعا فقد قال الله تعالیٰ: (واحل الله البیع وحرم الربا) وامر بالمواجرة رسوله علیه السلام فکل ذلك مباح فیها●

یعنی مکہ کے مکانات کی بیع اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔

یہ جو عبداللہ بن عمرو بن العاص کا قول مروی ہے کہ مکہ کے مکانات کی بیع اور ان کو کرایہ پہ دینا جائز نہیں اور یہ بات کہ عمر بن عبدالعزیز نے مکہ کے مکانات کا کرایہ لینے سے منع کر دیا تھا اور کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مکہ کے مکانات میں دروازے نہ لگائے جائیں۔ یہ دونوں خبریں مرسل ہیں اور صحیح نہیں ہیں۔

یہی قول اسحٰق بن راہویہ کا ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے مکہ کے مکانات کی ملکیت حاصل کی اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کا علم تھا لیکن آپ نے منع نہیں کیا اور جس شخص نے بھی مکان کی ملکیت حاصل کی تو اللہ تعالیٰ نے کہدیا ہے کہ (واحل اللہ البیع وحرم الربا) (یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام) اور اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام نے کرایہ پر دینے کا حکم فرمایا۔ پس یہ سب چیزیں (یعنی خریدنا اور کرایہ پہ دینا) جائز ہیں۔

یاد رہے کہ ہمارے سوشلسٹ حضرات اکثر زور شور سے ابن حزم کے حوالے دیا کرتے ہیں۔ یہ وہی ابن حزم ہیں اور ان کی رائے مکہ کے مکانوں کے کرایے کے سلسلے میں یہ ہے کہ وہ کرایے پر دیے جاسکتے ہیں ہم اس سلسلے میں اپنی کوئی ذاتی رائے نہیں پیش کرنا چاہتے امام ابو حنیفہ کا مسلک ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس ساری بحث سے بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ مکہ کے مکانات کے کرایہ کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ورنہ دیگر ممالک اور شہروں کے مکانوں کے کرایہ پر دینے کے معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ان کے کرایہ کے جواز پر اجماع ہے۔

موطا امام مالک بہ روایت امام محمد کا اعلان کہ رافع بن خدیج زمین کے کرایہ کو بالکل جائز سمجھتے تھے اور مشہور تابعی سعید بن جبیر کا قول کہ زمین کا کرایہ اور مکان کا کرایہ برابر ہیں اور دونوں جائز ہیں۔

اخبرنا مالك، اخبرنا ربيعة بن ابى عبد الرحمٰن ان حنظلة الانصارى اخبره، انه سال رافع بن خديج عن كراء المزارع فقال: قد نهى عنه، قال حنظلة: فقلت لرافع: بالذهب والورق؟ فقال رافع: لا باس بكرائها بالذهب والورق۔

قال محمد: وبهذا ناخذ، لا باس بكرائها بالذهب، والورق، وبالحنطة كيلا معلوما، وضربا معلوما، مالم يشترط ذلك مما يخرج منها، فان اشترط مما يخرج منها كيلا معلوما،

فلا خیر فیہ ۔ وھو قول ابی حنیفہ والعامۃ من فقھائنا۔
وقد سُئل عن کرائھا سعید بن جبیر بالحنطۃ کیلا معلومًا،
فرخّص فی ذلک ۔ وقال : ھل ذلک الا مِثْل البیت یکری ۔

مؤطا امام مالک ص ۲۹۴ مطبوعہ مصر

مذکورہ بالا روایت میں دو اہم باتیں ہیں ۔ اوّل تو یہ کہ رافع بن خدیج یہ کہہ رہے ہیں کہ زمین کو نقد رقم کے عوض کرایہ پر دینے میں کوئی ہرج نہیں ۔ بلکہ باقاعدہ سسٹم کے طور پر اگر گندم کی مقدار بھی مقرر کر لی جائے تب بھی ہرج نہیں ۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر یہ فرما رہے ہیں کہ زرعی زمین کو ٹھیکہ پہ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ مکان کو کرایہ پر دینا ۔ اس قول سے ثابت ہو رہا ہے کہ زمین کو کرایہ پہ دینے کے متعلق تو سوال بھی ہوتے تھے لیکن مکان کو کرایہ پر دینے میں کبھی کوئی شک نہیں ہوا اور زمین کو کرایہ پہ دینے کے جواز کے لیے مکان کی مثال دینے سے ثابت ہو گیا کہ مکان کے کرایہ پہ اجماع تھا ۔ اس لیے اس کی مثال دی گئی ہے ۔

جب مکان کے کرایہ پہ دینے کا جواز ثابت ہو گیا تو کرایہ پر دینے کے لیے مکان بنانے کا جواز خود بخود ثابت ہو گیا ۔

مزارعت کی نہی ناجائز شرائط کی بنا پر تھی ۔ حنظلہ بن قیس وغیرہ کی مکمل روایت تمام شکوک دور کر دیتی ہے ۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے ۔

اخبرنا عبد الرزاق عن الثوری عن ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن عن حنظلۃ[1] بن قیس قال : سالت رافع بن خدیج عن کراءِ الارض البیضاءِ ، فقال : حلال لا باس بہ ، انما نھی عن الارماث ، ان یعطی الرجل الارض ویستثنی بعضھا ،

---

[1] تمام راوی ثقہ ہیں ۔ عام لوگ بھی ان کے ناموں اور ثقاہت سے واقف ہیں ۔

و نحو ذلك ۔

ترجمہ: حنظلہ بن قیس کہتے ہیں میں نے رافع بن خدیج سے سفید زمین کو کرایہ پر دیے جانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا حلال ہے کوئی حرج نہیں نہی دراصل ارماث سے ہے اور ارماث یہ ہے کہ آدمی زمین کرایہ پر دے اور اس کے بعض حصہ کو مستثنیٰ کرے ۔

اخبرنا عبد الرزاق قال : اخبرنا ابن عيينة عن يحيى ابن سعيد عن حنظلة بن قيس الزرقي قال : سمعت رافع بن خديج يقول : كنا اكثر الانصار حقلاً ، فكنا نكرى الارض، فربما اخرجت يرة ولم تخرج مرة ، فنهينا عن ذلك ، واما بالورق فلم ننه عنه ۔

ترجمہ: حنظلہ بن قیس کہتے ہیں میں نے رافع بن خدیج کو یہ کہتے سنا کہ ہم انصار میں سب سے زیادہ کھیتی والے تھے تو ہم زمین کو کرایہ پر دے دیتے تھے۔ زمین میں بعض اوقات فصل اُگتی اور بعض اوقات نہ اُگتی ۔ ہمیں اس طریق کار سے روک دیا گیا ۔ جہاں تک زمین کو چاندی کے عوض کرایہ پر دینے کا تعلق ہے تو اس سے ہمیں نہیں روکا گیا ۔

اخبرنا عبد الرزاق قال : اخبرنا معمر عن عبيد الله بن عمر عن نافع قال : كان ابن عمر يكرى ارضه ، فاخبر بحديث رافع بن خديج ، فاخبره ، فقال : قد علمت ان اهل الارض يعطون ارضيهم على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، ويشترط صاحب الارض ان لى الماذيانات ، وما سقى الربيع، ويشترط من الجرين شيئاً معلوماً ، قال : فكان ابن عمر يظن ان النهى لما كانوا يشترطون ۔

ترجمہ: عبید اللہ بن عمر حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ

بن عمر اپنی زمین کو کرایے پر دیتے تھے ۔ جب ان کو رافع بن خدیج کی حدیث سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ زمیندار لوگ زمانہ رسالت میں اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیتے تھے اور اس میں یہ شرط ٹھہرالیتے تھے کہ ندی نالے کے کناروں پر جو فصل اُگے گی وہ ان کی ہوگی اور یہ بھی شرط لگاتے تھے کہ اتنی کھوران کی ہوگی ۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ گویا اعلان کرتے تھے کہ یہ نہی ناجائز شرائط کی وجہ سے ہے ۔

صحیح مسلم کی روایات امام مسلم ایک حدیث کے سلسلے میں بہت سے طرق جمع کر دیتے ہیں جن کی سند بھی عمدہ ہوتی ہے مترجمین اردو تمام طرق بیان نہیں کرتے ۔ عربی کتاب میں مختلف طرق دیکھے جا سکتے ہیں ۔ البتہ مسلم کے راوی سب ثقہ ہیں امام مسلم متابعت میں کبھی کمزور راوی لاتے ہیں ۔ اصل حدیث کمزور راوی سے نہیں لیتے ۔

عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ اَنَّهٗ سَئَلَ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ كِرَآءِ الْاَرْضِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَنْ كِرَآءِ الْاَرْضِ قَالَ فَقُلْتُ اَبِا الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ قَالَ اَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَلَا بَاْسَ

ترجمہ : حنظلہ بن قیس نے رافع بن خدیج سے پوچھا زمین کو کرایہ پر چلانا کیسا ہے انہوں نے کہا منع کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے میں نے کہا کیا چاندی اور سونے کے عوض میں بھی کرایہ دینا منع ہے ۔ انہوں نے کہا چاندی اور سونے کے بدل تو قباحت نہیں ۔

عَنْ حَنْظَلَةَ ابْنِ قَيْسٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ سَئَلْتُ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَآءِ الْاَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ اِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُوَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَاِقْبَالَ الْجَدَاوِلِ وَاَشْيَآءَ مِنَ الزَّرْعِ

فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَ يَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا فَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ وَ أَمَّا شَيْءٌ مَّعْلُومٌ مَّضْمُوْنٌ فَلَا بَأْسَ بِهٖ ـ

ترجمہ: حنظلہ ابن قیس انصاری نے کہا میں نے رافع بن خدیج سے پوچھا زمین کو کرایہ پر دینا سونے اور چاندی کے بدلے کیسا ہے انہوں نے کہا اس میں کوئی قباحت نہیں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہر کے کناروں پر اور نالیوں کے سروں کی پیداوار پر زمین کرایہ پر چلاتے تو بعض وقت ایک چیز تلف ہو جاتی دوسری بچ جاتی اور کبھی یہ تلف ہوتی اور وہ بچ جاتی پھر بعضوں کو کچھ کرایہ نہیں ملتا مگر وہی جو بچ رہتا اس لیے آپ نے منع فرمایا اس سے۔ لیکن اگر کرایہ کے بدل کوئی معین چیز (جیسے روپیہ اشرفی غلہ وغیرہ) جس کی ذمہ داری ہو سکے ٹھیرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

عَنْ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَافِعَ ابْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ كُنَّا أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ حَقْلًا قَالَ كُنَّا نُكْرِي الْأَرْضَ عَلٰى أَنَّ لَنَا هٰذِهٖ وَلَهُمْ هٰذِهٖ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هٰذِهٖ وَلَمْ تُخْرِجْ هٰذِهٖ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ وَأَمَّا الْوَرَقُ فَلَمْ يَنْهَنَا ـ

ترجمہ: حنظلہ زرقی سے روایت ہے انہوں نے سنا رافع بن خدیج سے وہ کہتے تھے تمام انصار میں ہمارے یہاں محاقلہ زیادہ تھا۔ ہم زمین کو کرایہ پر دیتے یہ کہہ کر کہ یہاں کی پیداوار ہم لیں گے اور تم یہاں کی لینا۔ پھر کبھی یہاں اگتا وہاں نہ اگتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہم کو اس سے۔ لیکن چاندی کے بدل کرایہ پر دینا تو اس سے منع نہیں کیا۔

حضورؐ و خلفائے راشدین کے دور سے لے کر حضرت معاویہؓ کے آخر دور تک یعنی مقدس ترین دور میں ابن عمرؓ یقیناً مزارعت پر زمین دیتے رہے

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِي

مَزَارِعَهٗ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ اِمَارَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ مُعَاوِیَةَ حَتّٰی بَلَغَهٗ فِیْ اٰخِرِ خِلَافَةِ مُعَاوِیَةَ اَنَّ رَافِعَ ابْنَ خَدِیْجٍ رَّضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ یُحَدِّثُ فِیْهَا بِنَهْیٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَیْهِ وَاَنَا مَعَهٗ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْهٰی عَنْ کِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَتَرَکَهَا ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا بَعْدُ فَکَانَ اِذَا سُئِلَ عَنْهَا بَعْدُ قَالَ زَعَمَ ابْنُ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْهَا۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے لوگوں کو کھیتی کرنے کے لیے اور ان سے کرایہ لینے زمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانۂ خلافت میں اور شروع معاویہ کی خلافت میں۔ یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت میں ان کو خبر پہنچی کہ رافع ابن خدیج اس کی ممانعت بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو وہ گئے ان کے پاس میں بھی ساتھ تھا اور ان سے پوچھا رافع نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع کرتے تھے مزارعوں کو کرایہ پر دینے سے یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔ پھر جب کوئی اس کے بعد ان سے پوچھتا (اس مسئلہ کو) تو وہ کہتے خدیج کے بیٹے نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے اس سے۔

المبسوط میں ہے کہ ابن عمر اور سالم دونوں ہمیشہ جواز کا فتویٰ دیتے رہے۔

عَنْ عَمْرٍو اَنَّ مُجَاهِدًا قَالَ لِطَاؤُسٍ انْطَلِقْ بِنَا اِلَی ابْنِ رَافِعِ ابْنِ خَدِیْجٍ فَاسْمَعْ مِنْهُ الْحَدِیْثَ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَانْتَهَرَهُ قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ مَا فَعَلْتُهُ وَلٰكِنْ حَدَّثَنِيْ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنْهُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَنْ يَّمْنَحَ الرَّجُلُ أَخَاهُ أَرْضَهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّأْخُذَ عَلَيْهَا خَرْجًا مَّعْلُوْمًا ۔

ترجمہ: عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے مجاہد نے طاؤس سے کہا ہمارے ساتھ چلو رافع بن خدیج کے بیٹے کے پاس اور ان سے حدیث سنو جس کو وہ نقل کرتے ہیں اپنے باپ سے ۔ انہوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ تو طاؤس نے جھڑکا مجاہد کو اور کہا میں تو قسم اللہ کی اگر یہ جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے مزارعت سے تو کبھی نہ کرتا ۔ لیکن مجھ سے حدیث بیان کی اس شخص نے جو زیادہ جانتا تھا اوروں سے صحابہ میں یعنی ابن عباس نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اپنی زمین ہبہ کر دے تو بہتر ہے کہ اس سے کرایہ لے۔

پس معلوم ہوا کہ کرایہ پر دینا منع نہیں لیکن مفت دینا اور اپنے بھائی مسلمان پر احسان کرنا افضل ہے ۔

حرام وحلال کے بڑے ماہر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مزارعت کو جائز سمجھتے تھے ۔ (المبسوط : ۲۳ : ۹ - ۱۱)

حضرت عمرؓ خود مزارعت پر زمین دیتے تھے ۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اینما دار عمر فالحق معہ رضی اللّٰہ عنہ فھو حجۃ لمن یجوزھا ۔ یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ حق ادھر ہے جدھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں ۔ یہ حجت ہے ۔ (المبسوط : ۲۳ : ۱۱)

بخاری سے بھی حضرت عمرؓ کا مزارعت پر زمین دینا ثابت ہے آپ کے بیٹے پوتے بھی مزارت کو جائز سمجھتے تھے (المبسوط : ۲۳ : ۱۴)

سنن ابو داؤد میں یہ روایات مختلف طرق کے ساتھ مروی ہیں ۔

رافع بن خدیج یقول : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا ، فذکرتہ لطاوس ، فقال : قال (لی) ابن عباس : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنھا ، ولکن قال " لان یمنع احدکم ارضہ خیر من ان یاخذ (علیھا) خراجا معلوما "

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ، ثنا ابن علیۃ ، ح وثنا مسدد ، ثنا بشر ، المعنی ، عن عبد الرحمٰن بن اسحاق ، عن ابی عبیدۃ بن محمد بن عمار ، عن الولید بن ابی الولید ، عن عروۃ بن الزبیر ، قال : قال زید بن ثابت : یغفر اللہ لرافع بن خدیج ، انا واللہ اعلم بالحدیث منہ ، انما اتاہ رجلان ، قال مسدد : من الانصار ، ثم اتفقا : قد اقتتلا ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " ان کان ھذا شانکم فلاتکروا لمزارع " زاد مسدد : فسمع قولہ " لاتکروا المزارع "[1]

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ ، ثنا یزید بن ھارون ، اخبرنا ابراھیم ابن سعد ، عن محمد بن عکرمۃ بن عبد الرحمٰن (بن الحارث بن ھشام) ، عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لبیبۃ ، عن سعید بن المسیب ، عن سعد ، قال : کنا نکری الارض بما علی السواقی من الزرع وما سعد بالماء منھا ،

---

[1] (۲۳۹۰) واخرجہ النسائی وابن ماجۃ

فنهانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك، وامرنا ان نکریها بذهب او فضة [١]

[٢] حدثنا ابراهیم بن موسی الرازی، اخبرنا عیسٰی، ثنا الاوزاعی ح، وثنا قتیبة بن سعید، ثنا الليث، کلاهما عن ربیعة بن ابی عبدالرحمٰن، واللفظ للاوزاعی، حدثنی حنظلة ابن قیس الانصاری قال: سالت رافع بن خدیج عن کراء الارض بالذهب والورق؟ فقال: لاباس بها، انما کان الناس يواجرون علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما علی الماذِیَانات واقبال الجداول واشیاء من الزرع، فیهلك هذا، ویسلم هذا، ویسلم هذا، ویهلك هذا، ولم یکن للناس کراء الا هذا، فلذلك زَجَرَ عنه، فاما شیء مضمون معلوم فلاباس به

وحدیث ابراهیم اتم، وقال قتیبة: عن حنظلة عن رافع۔

قال ابوداود: روایة یحیی بن سعید عن حنظلة نحوه

حدثنا قتیبة بن سعید، عن مالك، عن ربیعة بن ابی عبدالرحمٰن عن حنظلة بن قیس، انه سال رافع بن خدیج عن کراء الارض، قال: نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء الارض، فقلت: ابالذهب والوَرِق؟ فقال: اما بالذهب والورق فلا باس به [٣]

---

[١] وخرجه النسائی ۔

[٢] (٣٣٩٢) واخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجة، ومن هذا الحدیث تعلم ان المنهی عنه هو المجهول المحتمل للغرر، دون المعلوم، کما اعلمك انه کان من عادتهم ان یشترطوا شروطا فاسدة وان یستثنوا من الزرع ما علی السواقی والجداول یجعلونه لرب المال خاصة، وقد یسلم ما علی السواقی ویهلك سائر الزرع، فیبقی المزارع لا شیء له، وهذا غرر وخطر۔

[٣] سنن ابی داؤد: کتاب البیوع والاجارات جزء ثالث صفحه: ٣٥٠-٣٥١

مزارعت کے جواز کی روایات کثیر طرق سے حدیث کی کثیر کتب میں مروی ہیں۔ مثلاً نسائی کی مجتبیٰ ۔ کبریٰ بیہقی کی سنن کبریٰ ۔ مسند احمد وغیرہ وغیرہ ۔ مزی نے تحفۃ الاشراف میں لکھا ہے کہ نہی غلط شروط کی وجہ سے تھی ۔ ورنہ نہی ہرگز نہ تھی ۔ ورنہ ابن عمرؓ حضورؐ کے زمانے اور خلفائے راشدین کے قرون اولیٰ میں کیسے مزارعت کر سکتے تھے۔

اگر تمام طرق جمع کئے جائیں تو حنظلہ بن قیس کی روایت درجہ تواتر کو پہنچ سکتی ہے۔ مسلم پر کئی مستخرج بھی لکھے گئے ہیں ۔ جن میں مسلم کی روایات کے وہ بہت سے طرق بھی جمع کر دیے گئے ہیں جن کو مسلم نے بیان نہیں کیا یا وہ ان کے علم میں نہیں آئے ۔

دراصل ہمارے معاشرے کے نام نہاد مفکرین اور دانشور دو حصوں میں بٹے ہوئے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں ۔ کچھ لوگ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے دلدادہ ہیں اور تجارتی سود کو بھی جائز کرنے اور عین اسلامی کہنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم کے دلدادہ ہیں تو مضاربت ۔ اور زمین و مکان تک کو کرایہ پر دینے کے مخالف ہیں اور اس طرح عام لوگوں کو کاروبار سے دور رکھ کر تمام کاروبار کا مالک حکومت کر بنا کر ایک عظیم سرمایہ دار جس کے ہاتھ میں تمام سیاسی اور فوجی قوت بھی ہو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور تمام لوگوں کو ایسی حکومت کا دست نگر بنانا چاہتے ہیں ۔ اسلام کا راستہ ان دونوں کے عدل اور وسط کا راستہ ہے ۔ سود حرام اور تجارت و کاروبار حلال ہے۔

خرق اجماع

فقہ کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ مکانوں کا کرایہ اجماعًا جائز ہے۔ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے جس کا ہم حوالہ دے چکے ہیں کہ اس معاملے میں اختلاف کا ہمیں علم ہی نہیں ہے ۔ اس کے برعکس معلم کی تنخواہ کے سلسلے میں جو کثیر اختلاف ہے وہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا ۔ لیکن تعجب ہے کہ ہمارے متجددین مکان کے کرایہ کو ناجائز یا مکروہ کہہ کر خرق اجماع کے ارتکاب سے ڈرتے ہیں

لیکن معلمی کی تنخواہ جس میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور جسے کم از کم آئمہ اربعہ میں بھی دو آئمہ ناجائز قرار دیتے ہیں اسکے متعلق یہ لوگ بالکل نہیں بولتے اسی طرح تفسیر اور فقہ کی تصانیف کا مسئلہ ہے ۔ اب تک کی تاریخ اسلامی ہمیں بتاتی ہے کہ علماء نے کبھی تصنیف

وتالیف کا معاوضہ نہیں لیا۔ خود برصغیر میں مولانا اشرف علی تھانوی نے کبھی اپنی تصانیف کا معاوضہ طلب نہیں کیا۔ نہ کوئی رائلٹی لی۔ ان کی کتب چھاپنے کی آج بھی ہر ایک کو اجازت ہے۔ لیکن ہمارے سوشلسٹ ذہن رکھنے والے اپنی تصانیف کی بھرپور رائلٹی لیتے ہیں۔ اس طرح تاریخ اسلامی میں پہلی مرتبہ یورپ کے اثر سے حقوق طبع محفوظ کئے جا رہے ہیں۔

اب دیکھئے کہ ابن حزم نے مزارعت پر اجماع کو مثالی اجماع قرار دیا ہے بخاری سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ مزارعت پر زمین دیتے رہے۔ دیگر صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت معاویہؓ کے دور تک مزارعت پر زمین دیتے رہے۔ بعد میں مزارعت کے بجائے نقد ٹھیکہ زمین دیتے رہے لیکن ساتھ ہی مزارعت کے جواز کا فتویٰ بھی دیتے رہے۔ ایسی صورت میں امام مالک کے واقعہ کی روشنی میں حکومت اور عدالت کو ان معاملات میں لوگوں کو آزاد چھوڑنا چاہیئے۔ جو مزارعت پر زمین دینے کو ترجیح دیتے ہیں وہ مزارعت پر دیں اور جو نقد ٹھیکہ کو ترجیح دیتے ہیں وہ نقد ٹھیکے پر دیں۔ خلفائے راشدین سے لے کر اب تک ایسے معاملات میں خلفاء نے کبھی لوگوں پر کسی خاص فقہی رائے کو نہیں ٹھونسا۔ عبداللہ بن عمرؓ خلفائے راشدین کے پورے دور میں اپنی زمین مزارعت پر دیتے رہے جو کہ اسلامی تاریخ کا مقدس ترین دور تھا۔

قاضی شریح اور مکانوں کا کرایہ

پہلے مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت شریح مکانوں کے کرایہ کو دیگر صحابہ وتابعین کی طرح درست سمجھتے۔ اخبار القضاہ کی مندرجہ ذیل روایت بھی ملاحظہ ہو۔

حدثنا سعدان بن نصر، قال: حدثنا ابومعاوية، عن الشيباني، عن شريح؛ قال: اذا استاجر الرجل الدار سنة فبدا له، فالقى المفاتيح فقد برئ منها۔

یعنی قاضی شریح فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک مکان ایک سال کے کرایہ پر لیتا ہے۔ تو جب وہ مکان کی چابیاں مالک کو واپس کر دے گا تو اجارہ ختم ہو جائے گا

(وکیع: اخبار القضاۃ: ۲: ۲۲۷) قاضی شریح حضرت عمرؓ کے پسندیدہ قاضی تھے۔ اب کرایہ کے جواز میں شک کا سوال ہی نہ رہا۔

مکانوں کا کرایہ غریبوں کے لیے سہولت ہے

محمد بن عبد الرحمٰن البخاری نے محاسن الاسلام کے نام سے بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

الاحسان فی الاجارات دفع حاجات العباد بقلیل من الابدال ویسیر من الاموال فلا کل احد یملك دارًا یسکنها ولا طاحونة یطحن فیها ولا حماما یغتسل فیه ولا خانا یحفظ فیه امواله من القاصدین ولا دابة یرکبها ولا بقرة یزرع علیها ولا ابلا تحمل اثقاله الی بلد لا یبلغه الا بشق الانفس فجوزت الاجارة مع ان القیاس یاباه لما فیه من تملیك ما هو معدوم ولا یوجد الانتفاع فی المستاجر وبعد ما وجد لا یبقی زمانا شرع الله تعالیٰ الاجارة رحمة منه علی الفقراء والمحتاجین فی زمان وحین لینتفعوا علی حسب ارادتهم وجعل تسلیم الدار وما ینتفع به تسلیما للمنفعة اذ الله تعالیٰ اجری العادة باحداث المنافع عند انتفاع المنتفع بالعین عادة مستمرة لا یغیرها ابدا فالبیاعات شرعت علی حظ الاغنیاء والاجارات شرعت علی حظ الفقراء قال تعالیٰ خبرًا عن نبیه شعیب علیه السلام او ای نبی کان انه قال لموسی علیه السلام (انی ارید ان انکحك احدی ابنتی هاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج) کیف احتاج کلیم الله تعالیٰ الی الاجارة وکانت تلك الاجارة اعظم برکة من کل تجارة

اذھی صارت وسیلة الی المرور بالطود وسماع الکلام من الملك الغفور وکیف عاتب الکلیم صاحبه بقوله (لوشئت لاتخذت علیه اجرا) ففی التعادات دکون لی الاعیان وفی الاجارات سکون بلا امتنان فاذا لم یکن بد من الموت وترك الدار فترك المستاجر اهون من ترك المملوك۔

جاء فی الاخبار ان نوحا صلوات اللّٰه علیه والسلام اتخذ مسکنا من حشیش فقیل له فی ذلك فقال هذا لمن یموت کثیر ولان الملك لایلیق بالعبد فاذا لم یکن بد من ترجیه العمر فالاستجاریه احق لانی اجیر ولست بامیر فلا یلیق بالاجیر الا الاجارة الیس ان اللّٰه تعالیٰ سمی النعیم فی العقبیٰ اجرًا ففی الاجارة نوعان من الفرح فلآجر یفرح بنیل المال بلازوال العین فی الحال والمستاجر یفرح بالوصول الی المقصود من غیر مؤن معهود فنحن المنسافرون سفر الآخرة والمسافر اذا نزل منزلا ولم یجد مباحا لابد من ان یستاجر ولا یستحسن من المسافر ان یشتری فی کل منزل دارا وانما یحمد من اتخذالدار فی دار القرار فی جوار الملك الغفار۔ قال قائلهم۔

لادار للمرءِ بعد الموت یسکنها　　الا التی کان قبل الموت یبنیها
فان بناها بخیر کان مغتبطا　　وان بناها بشر خاب بانیها

یعنی اجارات میں اللّٰہ کے بندوں پر احسان ہے انکی حاجات قلیل بدلہ میں تھوڑے مال سے پوری ہو جاتی ہیں ۔ اب نہ رہنے کے لیے ہر شخص مکان کا مالک بن سکتا ہے اور نہ چکی کا مالک بن سکتا جس میں آٹا پیسے اور نہ حمام کا انتظام غسل کے لیے کر سکتا ہے اور نہ تجوری کا مالک بن سکتا ہے جس میں اپنا روپیہ رکھے اور محفوظ کرے ۔ نہ ہی سواری

کے خریدنے کا متحمل ہو سکتا ہے ۔ نہ زراعت کے لیے بیل (یا ٹریکٹر دور جدید میں) خرید کر رکھنے کا متحمل ہو سکتا ہے ۔ نہ اونٹ (یا جدید دور میں ٹرک وغیرہ) کا متحمل ہو سکتا ہے کہ اپنا مال دوسری جگہ لے جا سکے ۔ پس شرع نے ان چیزوں میں اجارہ کی اجازت دی ....
اللہ تعالیٰ نے فقراء پر رحمت کے بطور اجارہ کی اجازت دی .... حضرت موسیٰ ؑ کا قصہ مشہور ہے ....

پس اجارہ میں دو قسم کی فرحتیں ہیں ۔ آجر کو مال مل جاتا ہے اور اس کی چیز کی ملکیت ختم نہیں ہوتی اور مستاجر کے لیے فرحت یہ ہے کہ اس کا مقصود آسانی سے پورا ہو جاتا ہے ۔ ہم لوگ بھی آخرت کے مسافر ہیں ۔ جب مسافر کہیں اترتا ہے تو ہر جگہ اس کے لیے مکان خریدنا ممکن نہیں ہوتا ۔ (پس کرایہ کے مکان سے گذارہ کرتا ہے) ....

پس جب مکان کا کرایہ اجماعاً جائز ہوا تو کرایہ کے لیے مکان بنانا بھی جائز ہوا سری نگر میں ہاؤس بوٹ کرایہ پر ملتے ہیں جو مکان ہی ہوتے ہیں ۔

کشتی کے کرایہ کا قرآن میں ذکر

حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت خضر ؑ کے قصہ میں قرآن میں کشتی کے کرایہ کا ذکر ہے ۔ کشتی یا جہاز کا معاملہ بھی مکان ہی کے کرایہ کی طرح ہے ۔ بعض اوقات عہد وسطے میں جہاز لمبے عرصے تک کنارا پر یا سمندر میں ہوا کے انتظار میں ٹھہرا رہتا تھا ۔ پس قرآن سے کشتی کے کرایہ کے جواز بھی ثابت ہو گیا اور ہاؤس بوٹ کا بھی ۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ ہاؤس بوٹ کا کرایہ جائز اور ہاؤس کا ناجائز ۔

مکانوں، دوکانوں، زمینوں کا کرایہ بالاتفاق جائز ہے

عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں ۔

الحنفیہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں کرائے پر چڑھ سکتی ہیں ان میں :

(الف) ایسی چیزیں ہیں جن کا کرایہ لینا بالاتفاق درست ہے ۔

(ب) ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا کرایہ پر چڑھانا بالاتفاق درست نہیں ہے اور

(ج) ایسی چیزیں جن کے بارے میں اختلاف ہے ۔

جن اشیاء کا اجارہ درست ہونے میں اتفاق ہے وہ پانچ ہیں :
(اول) مکانات اور دکانیں ۔
(دوم) اراضی زرعی کھیتی باڑی کے لیے ، سفید زمین تعمیر مکان یا شجرکاری کے لیے ۔
ہمیں افسوس ہے کہ آج کل کچھ متجددین مسلمانوں میں کرایہ کے جواز سے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور طرح طرح سے مغالطے دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ علماء کے متعلق کہتے ہیں کہ مولوی لوگ اختلاف پیدا کرتے ہیں حالانکہ علماء سے کہیں زیادہ یہ متجددین اختلاف پھیلا رہے ہیں اور اجماعی مسائل میں بھی شکوک و شبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔

مکان کا اجارہ ثابت ہو جانے کے بعد اب رہا یہ سوال کہ
اسلام میں عقد اجارہ کی کیا شروط ہیں اور یہ کب اور کیسے ختم ہوتا ہے ؟
فقہ کی اصطلاح میں اجارہ کسی معلوم شے سے معینہ منافع حاصل کرنے کو کہتے ہیں ۔
آجر اس کو کہتے ہیں جس نے کوئی چیز اجارہ پہ دی ہو ۔ اسے مُکاری یعنی کرایہ پر دینے والا بھی کہتے ہیں ۔ اسے مُوجِر بھی کہا جاتا ہے ۔
مستاجر وہ شخص ہے جو کوئی چیز کسی سے اجارہ پر لیتا ہے ۔
ماجور وہ چیز ہے جو اجارہ کی جائے ۔ اسے موجَر یا مستاجَر بھی کہتے ہیں ۔
السید سابق نے فقہ السنۃ ج ۳ میں اجارہ کی صحت کے لیے درج ذیل احکام لکھے ہیں ۔

رکنها :
والاجارة تنعقد بالایجاب والقبول بلفظ الاجارة والکراء وما اشتق منها ، وبکل لفظ یدل علیها ۔

شروط العاقدین :
ویشترط فی کل من العاقدین الاهلیة بان یکون کل منهما عاقلاً ممیزاً ، فلو کان احدهما مجنوناً او صبیا غیر ممیز فان العقد لا یصح ۔

ويضيف الشافعية والحنابلة شرطا آخر وهو البلوغ .
فلا يصح عندهم عقد الصبى ولو كان مميزًا .

شروط صحة الاجارة :

ويشترط لصحة الاجارة الشروط الآتية :

١ - رضا العاقدين : فلو اكره احدهما على الاجارة فانها لا تصح لقول الله سبحانه :
" يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما "

٢ - معرفة المنفعة المعقود عليها معرفة تامة تمنع من المنازعة . والمعرفة التى تمنع المنازعة تتم بمشاهدة العين التى يراد استئجارها او بوصفها ان انضبطت بالوصف وبيان مدة الاجارة كشهر او سنة او اكثر او اقل وبيان العمل المطلوب .

٣ - ان يكون المعقود عليه مقدور الاستيفاء حقيقة وشرعًا . فمن العلماء من اشترط هذا الشرط فراى انه لا يجوز اجارة المشاع من غير الشريك وذلك لان منفعة المشاع غير مقدورة الاستيفاء .

وهذا مذهب ابى حنيفة وزفر .

وقال جمهور الفقهاء : يجوز اجارة المشاع مطلقا من الشريك وغيره ، لان للمشاع منفعة والتسليم ممكن بالتخلية او المهاياة بالتهيؤ ، كما يجوز ذلك فى البيع ، والاجارة احد نوعى البيع . فان لم تكن المنفعة معلومة كانت الاجارة فاسدة .

٤ - القدرة على تسليم العين المستاجرة مع اشتمالها

على المنفعة، فلا يصح تاجير دابة شاردة ولا معصوب لا يقدر على انتزاعه لعدم القدرة على التسليم۔ ولا ارض للزرع لاتنبت او دابة للحمل، وهى زمنة لعدم المنفعة التى هى موضوع العقد۔

۵ ۔ ان تكون المنفعة مباحة لا محرمة ولا واجبة۔

فلاتصح الاجارة على المعاصى، لان المعصية يجب اجتنابها فمن استاجر رجلا ليقتل رجلا ظلمًا او رجلًا ليحمل له الخمر او اجر داره لمن يبيع بها الخمر او ليلعب فيها القمار او ليجعلها كنيسة فانها تكون اجارة فاسدة۔

وكذلك لا يحل حلوان الكاهن[۲] والعراف[۳] وهو ما يعطاه على كهانته وعرافته، اذا نه عوض عن محرم واكل لاموال الناس بالباطل۔

یعنی:

ارکان: اجارہ ایجاب وقبول اور اجارہ کے ہم معنی الفاظ مثلاً کرایہ وغیرہ یا اور کوئی لفظ جو مناسب ہو اس کے استعمال سے منعقد ہو جاتا ہے۔

عقد یا کرنے والوں کی شروط یہ ہیں کہ دونوں عاقل سمجھ دار ہوں اور معاہدہ کی نوعیت کو سمجھتے ہوں۔ ان میں سے اگر کوئی ایک مجنون۔ فاتر العقل یعنی عقل وتمیز سے خالی ہو یا ایسا بچہ ہو کہ معاملے کی نوعیت کو نہ سمجھتا ہو تو معاہدہ منعقد نہ ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک دوسری شرط بھی ہے۔ وہ بلوغ کی شرط ہے ان کے نزدیک معاہدہ درست نہ ہوگا اگر کوئی ایک نابالغ ہو چاہے وہ کتنا ہی سمجھدار کیوں نہ ہو۔ (بلوغت کے لیے اسلامی فقہ میں عمر کم ہے۔ بلوغت کی تعریف سب کو معلوم ہے۔ لیکن اگر بلوغت کے آثار نہ بھی ہوں تو ۱۵ سال عمر بلوغ کی عمر سمجھی جائیگی)

اجارہ کے صحیح ہونے کی شرائط حسب ذیل ہیں ۔

ا :۔ طرفین کی رضامندی صحت معاہدہ کی اولین اور اہم ترین شرط ہے ۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی جبر کیا گیا ہو اور جبر کے ذریعہ ۔ مجبور کر کے معاہدہ کرایا جا رہا ہو تو یہ صحیح نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح اور دو ٹوک اعلان کر دیا ہے کہ (یعنی) اے لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ ایک دوسرے کے مال ناحق خورد برد نہ کیا کرو ۔ سوائے اس کے کہ تجارت کے ذریعہ کوئی نفع تم کو حاصل ہو جائے ۔ لیکن اس کی اہم شرط یہ ہے کہ باہمی رضامندی ہو ۔ اور دیکھو اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں رحیم ہے (یعنی اگر تجارت یا معاہدے میں تھوڑا سا بھی جبر ہو گا تو اس کی باز پرس ہو گی ۔ ایسا جبر کرنا اپنے کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے ۔ اللہ بے شک رحیم ہے اس کے تمام قوانین تمہارے ہی فائدے کے لیے ہیں اور رحمت عظمیٰ ہیں) ۔ یہ آیت اس سلسلے میں قول فیصل ہے کہ حکومت کسی کی جائیداد نہ زبردستی خرید سکتی ہے اور نہ زبردستی کرایہ پر لے سکتی ہے ۔ اگر کوئی حکومت ایسا کرے گی تو قرآن کی رو سے کسی کے مال کو ناحق خورد برد کرنے کے مترادف ہو گا ۔ یہ اصول احادیث اور مسلمان حکمرانوں اور قاضیوں کے تیرہ سو سالہ طرز عمل سے بھی ثابت ہے ۔ ہر عادل حکمران نے بالجبر جائیداد خریدنے سے پرہیز کیا ہے ۔

۲ :۔ کرایہ کی چیز سے جو منفعت یعنی فائدہ اٹھانا مقصود ہو اس کی مکمل وضاحت ضروری ہے ۔ تاکہ بعد میں کسی قسم کے اختلاف یا تنازع کا خدشہ باقی نہ رہے ۔

ایسی معرفت جس کے بعد تنازع کا خطرہ باقی نہ رہے کرایہ کی چیز ۔ دوکان مکان کو موقع پر مشاہدہ سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ یا پھر اس طرح سے تفصیلاً اس کی حالت بتائی جائے جو مشاہدہ کے قائم مقام ہو اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے ۔

مزید یہ کہ اجارہ کی مدت بیان کر دی جائے کہ مکان یا دوکان یا زمین ایک ماہ کے لیے کرایہ پر لی جا رہی ہے ۔ یا سال بھر کے لیے یا اس سے زیادہ کے لیے کرایہ پر لی

جارہی ہے مزید یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مکان کس کام کے لیے کرایہ پر لیا جا رہا ہے ۔ رہائش کے لیے لیا جا رہا ہے ۔ یا تجارتی یعنی کمرشل مقصد کے لیے لیا جا رہا ہے یا صنعتی مقصد کے لیے کرایہ پر لیا جا رہا ہے اگر صنعتی مقصد کے لیے ہو تو یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اس میں کونسی صنعت لگائی جائے گی ۔ اس کی مشینری سے مکان یا اس کی بنیادوں کو کوئی نقصان تو نہ ہوگا ۔ یا اس صنعت کے شور سے پڑوسیوں کے آرام میں خلل تو واقع نہیں ہوگا ۔ یا پڑوسیوں کے لیے فضا میں یعنی کثافت تو پیدا نہیں ہوئی ۔

اب دیکھیئے کہ ایک علاقہ رہائشی اور کمرشل ہے ۔ اس جگہ پانچ یا چھ منزلہ عمارات ہیں ۔ سب سے نچلے حصے میں دوکانیں ہیں اوپر کے حصہ میں رہائشی فلیٹ ہیں ۔ یا محلہ کی مسجد ہے اس کے نیچے یا ایک سائڈ میں دوکانیں ہیں ۔ اب ایسی دوکان کوئی شخص یا جنرل مرچنٹ یا کیمسٹ کی شاپ کے طور پر کرایہ پر لیتا ہے ۔ لبعد میں وہ اس میں کڑاھی تکہ کی دوکان کھول لیتا ہے ۔ جس کے دھویں سے اوپر کی منزلوں میں رہائش رکھنے والے خاندانوں کے لیے فضا کثیف رہنے لگتی ہے تو ایسے کرایہ دار کو اس کاروبار کو بند کرنے کے لیے کہا جائے گا جس سے کہ دھویں اور مرچ مصالحہ سے آلودہ ہوا اوپر رہنے والے لوگوں کو پریشان کرتی ہو ۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا اجارہ فسخ ہو جائے گا ہماری عام پبلک تو فضائی کے عظیم نقصانات کینسر و دیگر بیماریوں کے خطرات سے لاعلم ہے ۔ لیکن سائنسی تحقیقات سے اب یہ واضح ہوتا جا رہا ہے کہ انسانی زندگی کے لیے بہت خطرناک ہے اور عوام کے اس سے بچانا حکومت کا اولین فرض ہے خاص کر جب کہ ہمارے عوام اس کے خطرات سے نابلد ہوں اور خود اس کا تدارک سوچنے کی طرف ان کا خیال نہ جاتا ہو اور کچھ دوسرے لوگ دولت کے لالچ میں ان کا استحصال کر رہے ہیں ۔ فضائی کثافت کے خطرات سے لاعلمی ہمارے ملک میں تپدق اور دیگر لاتعداد بیماریوں کو جنم دے رہی ہے ۔ تجارتی لوگ خود خوراک اور زرعی کھادوں میں ایسے کیمیکل استعمال کر رہے ہیں جو صحت کے لیے از حد نقصان دہ ہیں ۔ اس کی تفصیل تو ہمارے

موضوع سے باہر ہے۔ البتہ فضائی کثافت کا مکان۔ دوکان اور ہوٹلوں وغیرہ کے کرایہ نامہ کے وقت خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ ایسے دوکان۔ مکان میں ہوٹل ہرگز اجازت نہ ہونی چاہیے جہاں کہ دھویں اور مرچ مصالحہ کے جلنے کی بدبو کے اخراج کے لیے مناسب اونچی چمنی نہ لگی ہو۔ اس علاقے میں رہنے والے اور گزرنے والوں کو زہریلی فضا سے محفوظ رکھنا حکومت اور ہر شہری کا فرض ہے۔ قدیم زمانے حسبہ کا محکمہ اسی لیے ہوتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ پاکستان میں آج تک ایسا کوئی محکمہ قائم نہ ہوسکا اور کارپوریشن والے اس طرف توجہ کرنے کی بجائے اپنا ٹیکس لے کر فضا کو مزید آلود کرنے میں مدد کرتے ہیں یا رشوت لے کر اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

جدید دور میں

کی بہت زیادہ اہمیت بڑھ گئی ہے۔ مثلاً اب تک یہ خیال تھا کہ سگریٹ کا نقصان صرف ان کو پہنچتا ہے جو سگریٹ پیتے ہیں۔ لیکن اب امریکہ کے سرجن جنرل

کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں سگریٹ نہ پینے والے حضرات بھی دوسروں کی سگریٹوں کے دھویں سے جو کثافت ہوا میں پھیلتی ہے۔ اس کی وجہ سے کینسر کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پس گنجان آباد علاقوں میں ایسی دوکانوں کو بند کرنا چاہیے یا ان کو بلند چمنیاں لگانے پر مجبور کرنا چاہیے جن سے مرچوں اور مصالحوں وغیرہ سے آلودہ دھواں نکلتا ہے اور اوپر فلیٹوں میں رہنے والوں کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسی دوکانوں کا معاہدہ اصولاً ختم ہوجائے گا۔ اگر مالک مکان اس طرف توجہ نہ دے تو حکومت کو دخل اندازی کرکے ایسے معاہدہ کو ختم کرادینا چاہیے۔

اسی طرح اگر کوئی دوکاندار۔ کڑاھی تکہ والا ہو یا پان والا ہو۔ اگر زور سے ریکارڈنگ کرتا ہے جس سے پڑوسیوں کا چین وسکون برباد ہوتا ہے تو بھی کرایہ کا معاہدہ ختم کرنا یا اس تکلیف کا تدارک لازمی ہوجاتا ہے۔

ایک رات حضرت عمر بن عبدالعزیز مسجد نبوی میں تہجد کے وقت زور سے قرأت کر رہے تھے تو ان کی آواز جب حضرت سعید بن المسیب کے کان میں پہنچی تو انھوں نے

ایک آدمی کو بھیجا کہ اس نمازی سے کہو کہ آواز پست کرے ۔ جب یہ پیغام پہنچا تو وہ فوراً سلام پھیر کر گھر آ گئے ۔ اسوقت آپ مدینہ کے گورنر تھے ۔ پس

بھی ایک اہم مسئلہ ہے ۔ جب کرایہ دار کو منفعت کا صحیح اندازہ ہونا ضروری ٹھہرا تو مالک مکان کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کو اپنی منفعت یعنی کرایہ کا علم صحیح ہو ۔ کرایہ کی رقم واضح طور پر مقرر کیا جانا ضروری ہے ۔

لیکن آج کل اس کرایہ کی رقم کے سلسلے میں نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے وہ یہ کہ جدید دور کی حکومتیں زیادہ نوٹ چھاپ کر اپنی کرنسی کی رقم گرا دیتی ہیں ۔ اس وجہ سے اگر آج کسی مکان کا کرایہ ایک ہزار ہے تو مکان دس سال کے لیے کرایہ پہ دیا جاتا ہے تو دس سال بعد جو مالک مکان کو ایک ہزار ماہوار ملے گا اس کی اصل قیمت

کی وجہ سے کم ہو گی اور مکان کا کرایہ مارکیٹ ریٹ کے حساب سے کہیں زیادہ ہو چکا ہوگا ۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے جس پر توجہ کی ضرورت ہے ۔ اب ہم سید سابق کی بیان کردہ تیسری شرط کی طرف آتے ہیں ۔

۳ :۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حقیقی اور شرعی طور پہ معاہدہ کی تکمیل ممکن ہو ۔ جو علماء یہ شرط ضروری سمجھتے ہیں ان میں بعض کے نزدیک اگر جائیداد کی ملکیت مشترک ہے اور اسکی حدبندی نہ ہوئی ہو تو اس کو ایسے شخص کو اجارہ پہ دینا جس کی ملکیت میں اس کا حصہ نہ ہو جائز نہیں ۔ کیونکہ مشترکہ جائیداد سے نفع اٹھانے میں مشکلات ہو سکتی ہیں یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ اور امام زفر کا ہے ۔ لیکن جمہور علماء مشترک ملکیت کی جائیداد کو کرایہ پہ دینا جائز سمجھتے ہیں کیونکہ بہرحال اس جائیداد سے آپس میں موافقت اور   کے ذریعے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جیسے یہ چیز بیع میں جائز ہے ۔ کرایہ میں بھی جائز ہے ۔ کیونکہ کرایہ بھی ایک قسم کی بیع ہی ہے ۔ لیکن اگر منفعت معلوم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا ۔

۴ :۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کو چیز حاصل ہو جائے اور منفعت بھی اگر ایسی زمین جو فصل نہ اگاتی ہو تو اس کا اجارہ کیسے ہوگا ؟

۵ :۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ منفعت مباح ہو ۔ حرام نہ ہو اور فرض بھی نہ ہو مثلاً دوکان

یا مکان اس مقصد کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا کہ اس میں شراب یا کسی دوسری حرام چیز کی فروخت کی جائے یا اس میں قمار بازی کی جائے ۔ یا اس میں کنیسہ بنایا جائے ۔ اس صورت میں اجارہ فاسد ہو جائے گا ۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص مکان کرایہ پر لے ۔ پھر اس میں مثلاً ناچ گانے کی محفلیں جمائے تو مالک مکان کو نصیحت کا حق حاصل ہوگا جیسے اور لوگوں کو حاصل ہوتا ہے لیکن اسے معاہدہ توڑ کر مکان سے نکالنے کا حق نہ ہوگا ۔

مالک مکان کے حقوق

یہ حقوق فقہ کی کتابوں میں مع فروعات کے درج ہیں ۔ بیع کی طرح کرایہ پر لینے کے لیے بھی فریقین کی رضامندی ضروری ہے ۔ کرایہ نامہ کس طرح کا ہو اس کا مفصل بیان طحاوی کی کتاب الشروط جلد اول میں دیا ہوا ہے اسکے مطابق شرائط درج کرنے سے فقہاء کے اختلافات بھی آڑے نہیں آتے اور آئندہ جھگڑے کا اندیشہ بھی نہیں رہتا ۔

حکومت کا دخل

مالک مکان شرع محمدی اور تقوی کے اندر رہتے ہوئے جو شرائط بھی طے کرے حکومت اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتی مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب زمین کو زراعت کے لیے کرایہ پر دیتے تو کاشتکار سے یہ شرط کر لیتے تھے کہ وہ کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا نہیں پالے گا ۔ اگرچہ کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کی اجازت حدیث میں موجود ہے لیکن بطور تقوی عبداللہ بن عمرؓ کتے کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ رکھنے کی شرط کر لیتے تھے ۔ اب حکومت کے لیے جائز نہیں اور نہ کاشتکار کے لیے یہ مطالبہ جائز ہے کہ چونکہ حدیث میں کتے کی اجازت ہے تو اسے کتا رکھنے کی اجازت دی جائے ۔ یہاں مالک مکان کو تقوی پر عمل اور شرط کرنے کی اجازت قائم رہے گی ۔ کیونکہ دوسری حدیث موجود ہے کہ المومنون علی شروطھم یعنی مومنین کو اپنی شرطیں پوری کرنا لازم ہے ۔ البتہ جس شرط میں معصیت ہو وہ شرط نہیں کی جا سکتی ۔ یاد رہے کہ ابن عمرؓ یہ بھی شرط کرتے تھے کہ کھیتی میں گندگی کی کھاد نہیں ڈالی جائے گی ۔ پس ایسی شرط بھی جائز ہے اور حکومت اس شرط میں بھی کسی وجہ بھی مداخلت نہیں کر سکتی ۔

المبسوط میں ہے :

كان اذا اكرى الارض اشترط على صاحبها ان لا يدخلها كلبا ولا يعذرها وهذا من المتقدر لذى اختاره عمر رضى الله عنه ولسنا ناخذ به فلا باس بادخال الكلب الارض لحفظ الزرع[1]۔

حکومت ان حقوق میں ہرگز مداخلت نہیں کر سکتی جو اسلام نے مالک مکان کو دیے ہیں کیونکہ حکومت کا کام شرع محمدی پر عمل کرنا اور کرانا ہے نہ کہ شرع بنانا۔ حکومت شارع یعنی قانون ساز نہیں ہوتی بلکہ احکام شرع پر خود عمل کرتی ہے اور دوسروں سے کراتی ہے۔ پس حکومت کے لیے وحی منزلہ یعنی قرآن وسنت کی پابندی لازمی ہے۔ وہ نہ حرام کو حلال کر سکتی ہے اور نہ مباح کو فرض کر سکتی ہے۔

کوئی سرکاری افسر زبردستی مکان کرایہ پر نہیں لے سکتا

عماد الدین زنگی کے دور کا مثالی واقعہ

تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں عدل و انصاف کے مثالی واقعات بکثرت ملتے ہیں عماد الدین زنگی کے دور کا ایک واقعہ ہے کہ۔ اس کے ساتھیوں میں امیر عز الدین دلیسی بھی تھا، وہ بڑی مقتدر شخصیت کا مالک تھا اور عماد الدین کے نزدیک بے حد محبوب و محترم تھا۔ امیر دلیسی نے ایک یہودی کے مکان پر بجبر قبضہ کر لیا۔ یہودی نے بہتیری منت سماجت کی لیکن دلیسی اس کے مکان سے نہ نکلا۔ ناچار اس نے عماد الدین کے پاس فریاد کی۔ اس وقت دلیسی بھی دربار میں حاضر تھا۔ عماد الدین نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ اسی وقت دربار سے اٹھ کر یہودی کے مکان پر گیا اور وہاں سے اپنا تمام سامان نکال لیا۔ علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ میرے والد اس موقع پر موجود تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امیر عز الدین کے ملازم ایک کھلے میدان میں جہاں کیچڑ اور پانی جمع تھا اس کا خیمہ نصب کر رہے تھے۔

ایک دفعہ عماد الدین شہید کو اطلاع ملی کہ قلعہ جزیرہ کا قلعہ دار نور الدین حسن بربطی بدکردار ہے۔ اس کے لشکری جب کسی مہم پر باہر جاتے ہیں تو وہ ان کی خواتین پر دست درازی کرتا ہے۔

---

[1] السرخسی المبسوط، ۲۳ : ۱۳

اتابک شہید نے اپنے وقائع نگاروں سے دریافت کیا تو انھوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔ شہید اتابک نے اسی وقت صلاح الدین باغیسانی امیر حاجب کو جزیرہ روانہ کیا کہ نورالدین حسن بربطی کو گرفتار کرکے اس کے سامنے لائے۔ جب وہ گرفتار ہوکر آیا اور اس کا جرم ثابت ہوگیا تو عماد الدین نے حکم دیا کہ اس کا آلۂ تناسل کاٹ دیا جائے اور اس کی آنکھیں نکال کر سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ اس عبرتناک سزا سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آئندہ کسی کو خواتین کی عصمت پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ (نورالدین زنگی مؤلفہ طالب ہاشمی)

پس ثابت ہوا کہ مطلق العنان کہلانے والے حکمرانوں کو بھی اسلامی تاریخ میں اس کی جرأت نہ ہوسکی کہ وہ زبردستی کسی کا مکان لیں یا زبردستی خرید کریں یہ بات مغرب سے آئی ہے کہ بادشاہ غلطی نہیں کرسکتا بادشاہ مر نہیں سکتا۔

جدید دور میں مالک مکان اور کرایہ دار میں جھگڑے کی بنیادی وجہ کرنسی کی

ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کی اس مسئلہ کا حل سب سے

ضروری ہے۔

روایات کی تنقیح

اب رہا معاملہ مکہ شریف کے مکانوں کے کرائے کا تو اگر اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کا استقصار کرلیا جائے اور روایت و درائت کے اصول پران احادیث کی چھان پھٹک کرلی جائے تو معاملہ بالکل واضح ہوجائے گا۔

پہلی حدیث

یہ حدیث صحاح ستہ یا سبعہ میں سے سوائے ابن ماجہ کے کسی نے روایت نہیں کی ہے اور ابن ماجہ حدیث کی مشہور کتابوں میں سے سب سے کم ہے۔ حتیٰ کہ امام ذھبی لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ حافظ۔ ناقد۔ سچے تھے مگر ان کی کتاب سنن کا رتبہ بہت کم ہوگیا ہے کیونکہ اس میں منکر روایات بھی ہیں اور قلیل تعداد موضوع روایات کی بھی ہے۔ اس میں بقول ابو زرعۃ تیس احادیث بالکل ساقط اور رد کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن بقول ذھبی وہ احادیث جن سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ شاید ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔

قلت: قد کان ابن ماجہ حافظاً ناقداً صادقاً، واسع العلم،

وانما غض من رتبة "سننه" ما فی الکتاب من المناکیر، وقلیل من الموضوعات، وقول ابی ذرعة۔ ان صح۔ فانما عنی ثلاثین حدیثاً، الاحادیث المطرحة الساقطة، واما الاحادیث التی لا تقومُ بها حجّه، فکثیرة، لعلّها نحو الالف (صفحہ ۲۷۹: سیر اعلام النبلاء)

ابن ماجہ کی حدیث زیر بحث کے ایک راوی علقمہ بن نضلۃ ہیں یہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ عبدالباقی اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ میں سوئے اس حدیث کے ان سے کوئی بھی دوسری حدیث مروی نہیں اور باقی کتب میں بھی ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ اصل حدیث یوں ہے۔

حدّثنا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ۔ ثنا عِیْسٰی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ نَضْلَةَ؛ قَالَ: تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ، وَمَا تُدْعٰی رِبَاعُ مَکَّةَ الا السَّوَائِبَ۔ مَنِ احْتَاجَ سَکَنَ. وَمَنِ اسْتَغْنٰی اَسْکَنَ۔ (ابن ماجة باب اجر بیوت مکة)

علقمہ بن نضلہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی اور ابوبکر اور عمر اور عثمان نے اور اس وقت تک مکہ کے گھروں کو سوائب کہتے تھے (یعنے بے قیمت گھر اور وقفی مکان جو چاہتا وہ ان میں رہتا اور جس کو حاجت نہ رہتی وہ خالی کر دیتا[1] ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کے علاوہ علقمہ بن نضلہ صحابی نہیں ہیں بلکہ تبع تابعین سے ہیں۔

محمد فواد عبدالباقی ابن ماجہ عربی کے حاشیہ میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

---

[1] غرضیکہ مکہ کے گھروں کا نہ کوئی کرایہ لیتا نہ کوئی ان کو بیچتا اس سے مراد شاید وہ گھر ہیں جو حجاج کے ٹھہرنے کیلیے بنائے گئے تھے جیسے رباط اور سرائیں یہ مکان گو وقفی ہوتے ہیں۔

قال السندیؒ : قلت : الحدیث حجة اذ یروی ذلك - لـکن قال الدمیری : علقمة بن نضلة لا یصح له صحبة - ولیس له فی الـکتب شئ سواہ - ذکرہ ابن حبان فی اتباع التابعین من الثقات - وهذا الحدیث ضعیف ، وان کان الحاکم رواہ فی مستدرکه -

یعنی اس طرح سے روایت کردہ حدیث صحیح ہوتی مگر دمیری کہتے ہیں علقمہ صحابی نہیں ہیں اور ان سے اور کسی کتاب میں کوئی حدیث مروی نہیں - ابن حبان نے ان کو تبع تابعین میں سے ثقہ شمار کیا ہے - (پس انقطاع کی وجہ سے) یہ حدیث ضعیف ہے -

محمد شمس الحق عظیم آبادی سنن دارقطنی کے حاشیہ میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں انقطاع اور ارسال دونوں ہیں (دیکھیے دارقطنی حصہ دوئم صفحہ ۳۰۰)

الجوھری وغیرہ - قوله : قال من اکل کرا بیوت مکة واخرج ابن ماجة من حدیث علقمة بن نضلة قال : توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر ، وما تدعی رباع مکة الا السوائب ، من احتاج سکن - وفی اسنادہ انقطاع وارسال ، وقال بظاھرہ : ابن عمر -

ہم دیکھ چکے ہیں کہ منقطع روایت سے حجت نہیں قائم کی جا سکتی اور نہ ہی مرسل حدیث سے حجت قائم کی جا سکتی ہے -

ابن حجر عسقلانی فتح الباری : ۴ : ۱۹۵ مطبوعہ مصر میں باب توریث دور مکة الخ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ باب قائم کر کے حدیث علقمہ نضلة کی تضعیف کی ہے -

علامہ عینی نے بھی اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے کیونکہ علقمہ بن نضلة صحابی نہیں - (عمدۃ القاری : ۹ : ۲۲۵)

علقمہ بن نضلة ہم دیکھ چکے ہیں کہ بقول ابن حبان علقمہ نہ صرف صحابی نہیں بلکہ یہ تبع تابعی ہیں اس صورت میں گویا دو راوی درمیان سے صرف اس مقام سے غائب ہیں -

یعنی صحابی کا نام بھی معلوم نہیں اور تابعی کا نام بھی معلوم نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ہرگز قابل حجت نہیں۔

پھر علقمہ بن نضلہ کے متعلق ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں یہ نہیں بتایا کہ یہ ثقہ ہیں یا نہیں۔ ذہبی بھی ان کے ثقہ ہونے کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ میزان الاعتدال میں انہوں نے ان کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے۔

میرے علم کی حد تک سوائے عثمان بن ابی سلیمان کے کسی دوسرے نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ (پس ثابت ہوا کہ یہ نہ زیادہ معروف ہیں اور نہ ہی اہم راوی ہیں۔

خاکسار نوری کی عرضگداشت

بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ آپ اس حدیث کی عربی عبارت دیکھئے تو نظر آئے گا کہ ابن ماجہ کی سند علقمہ سے اوپر تو منقطع اور مرسل ہے ہی لیکن نیچے میں سند میں انقطاع ہے غور فرمائیے کہ سند میں ابن ابی شیبہ نے حدثنا کہا ہے۔ اس سے اوپر کے تمام راوی 'عن' سے روایت کرتے ہیں 'حدثنا'، یا 'سمعت'، وغیرہ الفاظ نہیں کہتے۔ گویا روایت تین جگہ سے معنعن ہے اور ان تینوں جگہ اس کا احتمال ہے کہ راوی چھوٹ گیا ہو۔ نوٹ فرمائیے عثمان صاحب علقمہ سے عن سے روایت کر رہے ہیں۔ اس مقام پر تو ابن ماجہ کی سند میں یقیناً راوی چھوٹ گیا ہے کیونکہ دارقطنی کی سند جو زیلعی نے دی ہے اس میں عثمان اور علقمہ کے درمیان ایک اور راوی موجود ہیں جن کا اسم گرامی نافع بن جبیر بن مطعم ہے زیلعی کی نصب الرایۃ ج ۴ ص۲۶۹ پر سند مع حدیث کے ملاحظہ ہو۔

واخرجه الدارقطني ايضًا عن معاويه ابن هشام ثنا سفيان عن عمر بن سعيد عن عثمان بن ابى سليمان عن نافع بن جبير بن مطعم عن علقمه ابن نضلة الكنانى، قال: كانت بيوت مكة تدعى على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وابى بكر، وعمر السوائب، لا تباع، من احتاج سكن، ومن استغنى اسكن، انتهى،

پس ابن ماجہ کی سند میں دو راوی تو علقمہ سے پہلے غائب ہیں اور ایک راوی فوراً علقمہ

کے بعد غائب ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ ابن ماجہ کی سند کے مطابق ابن ماجہ کی حدیث معضل ٹھہری اور معضل روایت بالکل ناقابل اعتبار ہوتی ہے ۔ پھر نیچے جو دو جگہ 'عن' مزید استعمال ہوا ہے اس کا حال خدا جانتا ہے کوئی ایک راوی چھوٹا ہے یا کتنے راوی چھوٹے ہیں ۔

دارقطنی کی حیثیت دارقطنی کے متعلق امام عینی لکھتے ہیں کہ وہ تو خود تضعیف کے قابل ہیں ۔ ان کی کتاب میں سقیم ۔ معلل منکر ۔ غریب اور موضوع روایات بھی ہیں ۔ دیکھئے نصب الرایۃ : ۱ : ۳۶۰ اور عبدالحی الکنوی کی کتاب الاجوبۃ الفاضلہ ص۲۷

علقمہ بن نضلۃ کی روایت جس سے ازرقی نے دلیل پکڑی کہ مکہ کے مکانوں کی فروخت اور کرایہ جائز ہے

ازرقی نے اخبار مکہ : ج ۲ : ص ۱۶۴ ، ۱۶۵ یہ جو باب ان لوگوں کے متعلق باندھا ہے جو مکہ کے مکانوں کا کرایہ جائز سمجھتے تھے ۔ اس میں ان کی روایت بھی بیان کی ہے یہ روایت آگے آرہی ہے : اخبار مکہ : ۲ : ۱۶۴ ۔ علقمہ کی دوسری روایت سے پہلی روایت کی حیثیت ختم ہو گئی ۔

دوسری حدیث مستدرک حاکم کی پہلی حدیث میں بھی اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر ہے ۔ اور مجمع الزوائد کی حدیث میں بھی اسماعیل بن مہاجر ہے ۔ دونوں مردود ہیں ۔ ان کی سند ایک ہی ہے ۔ مجمع الزوائد میں ہمیں باب اجارۃ بیوت مکہ میں صرف ایک حدیث ملتی ہے جو طبرانی کے حوالے سے بیان کی گئی ہے ۔ یعنی صحاح ستہ کے علاوہ جتنی احادیث کی اہم کتب ہیں جن کے زوائد ہیثمی نے جمع کئے ہیں ان میں سوائے ایک کے کوئی اور حدیث اس باب میں نہیں ہے ۔

اس حدیث کو بیان کر کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر راوی ضعیف ہیں گویا اعلان بھی کر دیا کہ یہ قابل حجت نہیں ہے ۔ پھر طبرانی نے بھی اسے صرف الکبیر میں ذکر کیا ہے ۔ الاوسط اور الصغیر میں ذکر کے قابل نہیں سمجھا ۔

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لا یحل اجارتہا ولا دباعہا یعنی مکۃ۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ اسماعیل بن ابراھیم بن مہاجر وھوضعیف

اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر | اس راوی کے متعلق ابن معین لکھتے ہیں۔

واسماعیل انہ (ای ابن ابراھیم بن مہاجر) ضعیف

(یحییٰ بن معین : التاریخ : ۲ : ۳۱)

زیلعی صفحہ ۲۶۵ پر دارقطنی کا قول اور سند بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقال الدارقطنی : اسماعیل بن مہاجر ضعیف، ولم یروہ غیرہ انتھی، وذکرہ ابن القطان فی "کتابہ" من جھۃ الدارقطنی، واعلہ باسماعیل بن مہاجر، قال : قال البخاری : منکر الحدیث انتھی۔ ورواہ ابن عدی، والعقیلی فی "کتابیھما"، واعلہ باسماعیل، وابیہ وقالا فی اسماعیل : لا یتابع علیہ، انتھی۔

یعنی دارقطنی کہتے ہیں کہ اسماعیل بن مہاجر ضعیف ہیں اور اسے کسی دوسرے راوی نے روایت نہیں کیا۔ ابن قطان نے بھی دارقطنی سے اتفاق کرتے ہوئے اسماعیل بن مہاجر کو اس حدیث کی علت قرار دیا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ اسماعیل بن مہاجر منکر الحدیث ہیں۔ ابن عدی اور عقیلی دونوں نے اس حدیث کی علت اسماعیل کو قرار دیا اور دونوں نے فرمایا کہ اس حدیث میں ان کی متابعت نہیں کی جائے گی یعنی یہ روایت تسلیم نہیں کی جائے گی۔

جس راوی کو بخاری منکر الحدیث کہہ دیں تو ان کے نزدیک اس سے روایت حرام ہوتی ہے۔ پس بخاری کے مطابق اس حدیث کی روایت حلال نہیں۔ مذکورہ بالا قول تمام محدثین بیان کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے۔ ثبوت کے لیے ہم عبدالحی اللکنوی کی کتاب الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ کے حاشیہ ص ۹۴ سے عبدالفتاح ابوغدہ کا قول نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرما کر تسلی فرمائیں۔

هو کما فی " ذیل الموضوعات " للسیوطی ص ۳۵ "حفص بن عمر العدنی". قال السیوطی فیه : "کذبه یحیی بن یحیی النیساپوری، وقال البخاری : منکر الحدیث" انتهی. والبخاری اذا قال فی راوٍ : (منکر الحدیث) فیعنی به انه لا تحلّ الروایة عنه کما تراه موضّحا فی " الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" للامام عبدالحی اللکنوی وما علقته علیه فی ص ۱۲۹ و۱۴۹-۱۵۰ من الطبعة الثانیة.

یاد رہے کہ بخاری اچھے اخلاق کی وجہ سے کسی راوی کو کذاب وغیرہ کے سخت الفاظ سے یاد کرنے سے گریز کرتے تھے منکر الحدیث کر دیا کرتے تھے جس کے متعلق انہوں نے کہنا ہوتا تھا کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ اب عقیلی کا پورا بیان ملاحظہ ہو۔

اسماعیل بن ابراهیم المهاجر.

حدّثنا عبد الله بن احمد، قال : سالت ابی عن اسماعیل بن ابراهیم بن مهاجر، فقال : ابوه اقوی فی الحدیث منه.

حدّثنا محمد بن عیسی، قال : حدثنا عباس بن محمد قال : سمعت یحیی بن معین یقول : ابراهیم بن مهاجر ضعیف وابنه اسماعیل ضعیف

حدثنی آدم بن موسی قال : سمعت البخاری، قال : اسماعیل بن ابراهیم بن مهاجر عن ابیه وعبد الملك بن عمیر روی عنه ابونعیم فی حدیثه نظر. وقال فی کتاب الکبیر فذکر الحدیث ومن حدیثه ما حدثناه محمد بن اسمٰعیل، قال : حدثنا خلاف بن تمیم قال : حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم بن مهاجر، قال : سمعت ابی ذکر عن عبد الله بن باباه، عن عبد الله بن عمرو، قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "مکة مراح

لا یباع دباغها؟ لایتابع علیه۔

اسماعیل بن ابراهیم ابو یحییٰ التیمی (الکوفی):

حدثنا عبداللہ بن الحسن، عن علی بن المدینی قال: ابو یحییٰ التیمی ضعیف۔

امام ذھبی اپنی اہم کتاب دیوان الضعفاء والمتروکین صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ ان کو لوگوں نے ضعیف کہا ہے (ضعفوه)

تہذیب الکمال مولفہ مزی ج ۳ ۔ص ۴۴ پر درج ہے کہ ابن معین نے اسماعیل بن مہاجر کو ضعیف کہا ہے اور اس کے باپ کو بھی ضعیف قرار دیا ہے ۔بخاری نے کہا فی حدیثہ نظر ۔نسائی نے ضعیف قرار دیا ۔پھر اسی صفحہ پر حاشیہ میں درج ہے کہ ذھبی نے اس کا ذکر میزان میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک سے زیادہ لوگوں نے اسے ضعیف کہا ہے. مزید ابو داود ۔ابن الجارود ۔الساجی اور عقیلی نے ضعیف کہا ہے ۔

قال عبد اللہ بن احمد بن حنبل: سالت ابی عن ابراھیم بن مہاجر فقال: لیس به باس، کذا وکذا، وسالته عن ابنه اسماعیل بن ابراھیم بن مہاجر، فقال: ابوہ اقویٰ فی الحدیث منه۔

وقال عباس الدُّوریؒ، عن یحییٰ بن مَعِین: ابراھیم بن مہاجر ضعیف، وابنه اسماعیل ضعیف۔

وقال البخاری: فی حدیثه نظر۔

وقال النسائی: ضعیف۔

روی له الترمذیؒ، وابن ماجه۔

ابن حبان کا اعلان کہ اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر زبردست غلطیاں کرنے والا تھا دیکھئے کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین ج ۱ : ص : ۲۲

اسماعیل بن ابراھیم بن مہاجر البجلی الکوفی، یروی عن

ابیه وعبد الملك بن عمیر روی عنه ابو نعیم والكوفیون كان فاحش الخطا۔

اخبرنا مكحول قال: سمعت جعفر بن ابان یقول: قلت لیحیی بن معین: ابراهیم ابن مهاجر؟ (قال): ضعیف وابنه اسماعیل ضعیف۔ قال ابوحاتم: روی اسماعیل عن عبد الملك بن عمیر عن عمرو بن حریث قال: بعت داراً لی او ارضا بالمدینة فقال اخی سعید بن حریث استعف عنهاما استطعت ولا تنفق منها شیئا فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من باع دارًا اوعقارًا فانه قمن ان لا یبارك له فیه الا ان یجعل فی مثله، قال عمرو: فاشتریت ببعض ثمنها داری هذه، اخبرناه ابویعلی ثنا القواریری ثنا عفیف بن سالم الموصلی ثنا اسماعیل بن ابراهیم بن مهاجر عن عبد الملك بن عمیر۔

اسماعیل بن ابراهیم ابو یحیٰی التیمی من تیم الله بن ثعلبة من اهل الكوفة، یروی عن الاعمش ومطرف، روی عنه اهل الكوفة، یخطئ حتی خرج عن حد الاحتجاج به إذا انفرد وكان ابن نمیر شدید الحمل علیه۔

میزان الاعتدال میں ذہبی کا بیان:

اسماعیل بن ابراهیم (ت، ق) بن مهاجر البجلی الكوفی، عن ابیه (۸۷) وعبد الملك بن عمیر وعنه ابونعیم وطائفة۔
ضعفه غیر واحد۔ وقال البخاری: فی حدیثه نظر۔ وقال احمد: ابوه اقوی منه۔

ومن مناكیره، قال: حدثنا عبد الملك بن عمیر، عن عمرو بن حریث، عن اخیه سعید ۔مرفوعا: من باع دارًا اوعقارًا

فلیعلم انه مال فمن الا یبادك له فیه الا ان یجعله فی مثله۔

مکہ کے کرایہ کو سود کہنے والی روایت پر بحث

ابن حجر عسقلانی نے ہدایہ کی احادیث کی تخریج پر زیلعی کی مانند کتاب لکھی ہے اس کے جز ۲ ص ۲۳۶ پر وہ یوں لکھتے ہیں کہ سود کے الفاظ غلط ہیں۔

حدیث: "من اجر ارض مکۃ، فکانما اکل الربا" هذا کانه تصحیف عن قوله، فکأنما یاکل نارًا۔ وقد مضی بیانه فی الذی قبله، وانه من روایة محمد بن الحسن، عن ابی حنیفة. وقد ذکر البیهقی فی المعرفة ماداد بین الشافعی واسحاق بحضرة احمد من المناظرة فی کراء بیوت مکة، واحتجاج اسحاق بقول تعالی: "سواء العاکف فیه والباد" وجواب الشافعی بانها فی المسجد خاصة، اذ لو کانت فی جمیع مکة لما جاز فیها نحر البدن ولا ابقاء الادوات، ونحو ذلك. واستدلاله بحدیث اسامة بن زید: وهل ترك لنا عقیل من دار؟ فلو کانت المنازل لاتملك لما قال ذلك، وان احمد استحسن ذلك۔ وحدیث اسامة متفق علیه، وقد تقدم ان عمر اشتری دار السجن بمکة، وعلقه البخاری۔

یعنی "گویا کہ سود کھایا" کے الفاظ غلطی سے تبدیل ہو کر آئے ہیں یہ تصحیف ہے۔ روایت کے اصل الفاظ وہی ہیں جو امام محمدؒ نے ابوحنیفہؒ سے نقل کئے ہیں۔ پھر بیہقی نے اپنی کتاب "المعرفۃ" میں امام احمد کی موجودگی میں امام شافعیؒ اور امام اسحٰق کے درمیان مناظرہ ہوا اس کا ذکر کیا ہے۔ اسحاق نے اس آیت سے استدلال کیا کہ (سواء العاکف فیه والباد (یعنی یہاں مکہ کا رہنے والا اور باہر سے آنے والا برابر ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ آیت خاص مسجد کے لیے ہے نہ کہ مسجد سے باہر کے تمام مکہ کے علاقے وقرب وجوار

کے لیے ۔ اگر یہ آیت پورے مکہ کے علاقے کے لیے ہوتی تو اس علاقے میں قربانی کرنے، خون بہانے اور اونٹوں وغیرہ کی لید رکھنے کی بھی اجازت نہ ہوتی اور اس طرح کی باتوں کی بھی اجازت نہ ہوتی ۔ امام شافعیؒ نے خاص حضورؐ کی ثابت شدہ صحیح حدیث "کیا عقیل نے ہمارے لیے گھر چھوڑا ہے" سے استدلال کیا ۔ اگر مکہ کے مکانوں کی ملکیت درست نہ ہوتی تو حضورؐ یہ الفاظ کیسے فرما سکتے تھے ۔ پھر امام احمد نے امام شافعیؒ کی دلیل کو عمدہ کہا اور پسند کیا ۔ مزید اسامہ کی حدیث جس میں مذکورہ بالا الفاظ عقیل کے متعلق آئے ہیں یہ حدیث تمام محدثین کے نزدیک متفق علیہ یعنی صحیح ترین حدیث ہے ۔ مزید یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مکہ میں جیل کے لئے مکان خریدا

اگر مکہ کے مکانوں کی ملکیت ثابت نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ قیمت دے کر مکان کیوں خریدتے ۔ حضرت عمرؓ کا اپنا فعل حقیقت کو ثابت کرتا ہے ۔

حاکم نے لکھا ہے کہ احادیث کے متون میں تصحیف یعنی تبدیلی کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں اس کی کئی مثالیں دے کر وہ لکھتے ہیں عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ جو لوگ ماہر فن حدیث نہ تھے ان سے معنوں میں بہت مقام پر تبدیلی ہوئی ۔ (دیکھئے حاکم : معرفۃ علوم الحدیث : ۱۴۹)

مکہ کے کرایہ کو سود کہنے والی روایت کی سند کی تحقیق

ص ۲۶۵ ، ۲۶۶ پر زیلعی نے اس روایت کی سند یوں بیان کی ہے ۔

قلت : اخرجه الدارقطنی فی "اخر الحج" عن ایمن بن نابل عن عبيد الله بن ابی زیاد عن ابی نجیح عن عبد الله بن عمر) ودفع الحديث ، قال : من اكل كراء بيوت مكة اكل الربا ، انتهى.

امام زیلعی نے روایت میں سود کے الفاظ غلطی سے درج ہونے پر بحث نہیں کی ۔ کیونکہ پیٹ میں آگ کھانا اور سود کھانے میں زیادہ فرق نہیں کسی راوی نے روایت پیٹ میں آگ کھانے کو سود کھانے میں روایت بالمعنیٰ کے طور پر بیان کر دیا یا بطور تشریح کہ دیا ہو اور سامع نے غلطی سے سود کو روایت کا حصہ سمجھ لیا ہو ۔ اب ہم نمبر وار راویوں پر بحث

کرتے ہیں۔ پوری سند تو ہمارے سامنے نہیں۔ جتنی ہے اس پر گفتگو کر لیتے ہیں۔ پہلے راوی ایمن نابل ہیں۔

ایمن بن نابل | امام ذہبی ان کے متعلق میزان الاعتدال جلد اوّل صفحہ ۲۸۴ پر لکھتے ہیں۔

وقال یعقوب بن شیبہ : فیہ ضعف

یعنی ان میں ضعف ہے۔

پھر ابن المدینی اور دارقطنی کا قول نقل کیا ہے۔ لیس بقوی یعنی وہی بات ضعف والی۔

قال الدارقطنی : لیس بالقوی، خالف الناس ولو لم یکن الاحدیث التشہد۔ یعنی لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے حدیث التشہد کی وجہ سے ان کی زبان میں لکنت تھی۔

ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ انکو وہم ہو جاتا تھا۔

تہذیب التہذیب ج ۱۔ ص ۳۹۴ پر اپنی رائے قلتُ کہہ کر بیان کرتے ہیں : انہوں نے اس حدیث کے شروع میں جو انہوں نے ابی الزبیر عن طاؤس عن ابن عباس سے تشہد کے سلسلے میں بیان کی ہے اس میں بسم اللہ و باللہ کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ جبکہ لیث عمرو بن الحارث اور دوسرے لوگوں نے تشہد ان الفاظ کے بغیر روایت کی ہے۔ نسائی نے اس روایت کو بیان کر کے کہا ہے کہ ہمیں کسی ایک شخص کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ اس نے اس میں ایمن کی متابعت کی ہو ایمن کا بیان خطا ہے یعنی غلط ہے۔ ترمذی نے کہا کہ ایمن کی حدیث غیر محفوظ ہے اور کہا کہ اس حدیث میں عن قرامہ ایمن ثقہ ہیں اہلحدیث کے نزدیک۔ عجلی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ غلطی کیا کرتے تھے اور جو انفرادی روایت یہ کرتے تھے اس کی کوئی مطابعت نہیں کرتا تھا۔ ابن حجر کے اصل الفاظ یوں ہیں۔

قلت زاد فی اول الحدیث الذی رواہ عن ابی الزبیر عن طاؤس عن ابن عباس فی التشہد بسم اللہ و باللہ۔ وقد رواہ اللیث و

عمرو بن الحارث وغيرهما عن ابی الزبير بدون هذا قال النسائی بعد تخريجه لا نعلم احدا تابع ايمن علی هذا وهو خطأ وقال الترمذی حديث ايمن غير محفوظ وقال الترمذی فی حديثه عن قدامه ايمن ثقة عند اهل الحديث وقال العجلی ثقة وقال ابن حبان كان يخطی و يتفرد بما لا يتابع عليه وفی ترجمة سفيان الثوری من حلية ابی نعيم ما يدل علی ان ايمن هذا عاش الی خلافة المهدی ۔

جن محدثین نے ان کی روایت لی ہے وہ دوسروں کی روایت کی جب یہ مطابقت کرتے ہیں ایسی روایات لی ہیں ۔ ان کی انفرادی روایت کی مخالفت کی ہے جس کا زندہ ثبوت تشہد والی روایت ہے جس پر کسی ایک شخص کا بھی عمل نہیں ۔ یہ ثقہ ہیں لیکن وہم کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ اب ہم اگلے راوی کو لیتے ہیں ۔

عبیداللہ بن ابی زیاد القدّاح

ابن معین کی رائے ص ۳۸۲ ج ۲ : "تاریخ یحییٰ بن معین ۔

• عبیداللہ بن ابی زیاد القدّاح :

عبيد الله بن ابی زياد القدّاح ضعيف ۔ قلت له : هو اخو سعيد القدّاحی ؟ قال : لا والله ۔ ما بينهما نسب، او نحو هذا من الكلام ۔

یحییٰ بن معین قدیم ماہر رجال ہیں ۔ ان کی کتاب کے حوالے ملتے تھے ۔ حال ہی میں زیور طبع

سے آراستہ ہوئی ہے۔ ان کا ضعیف کہ دینا راوی کے ضعف پر مہر ثبت کر دیتا ہے۔

ابو داؤد کی رائے آجری نے امام ابو داؤد سے نقل کیا کہ ان کی احادیث منکر ہوتی ہیں۔ یہ دوسرے مشہور امام کی رائے ہے جس کے بعد ان کی حدیث کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن حجر کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

الضعفاء[1] وقال الآجری عن ابی داود احادیثه مناکیر وقال النسائی لیس به باس وقال فی موضع اخر لیس بالقوی وقال فی موضع اخر لیس بثقة وقال الحاکم ابو احمد لیس بالقوی عندهم وقال ابن عدی قد حدث عنه

پس ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث بھی منکر یعنی قابل اعتبار نہیں۔ اب اگلے راوی کو لیجئے۔

ابن ابی نجیح عبداللہ بن ابی نجیح البجلی عبداللہ بن ابی زیاد القداح دراصل ابو نجیح سے نہیں بلکہ ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ آثار امام محمد سے ثابت ہے اور ابو یوسف کے الآثار کے اصل الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔ مستدرک حاکم سے بھی ابن ابی نجیح ہی ثابت ہے۔

ابن ابی نجیح کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ مدلس تھے۔ امام نسائی نے انہیں مدلس قرار دیا ہے اور ابن حجر نے ان کو مدلسین کے تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے تیسرے درجے کے مدلسین کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں۔

الثالثة : من اکثر من التدلیس فلم یحتج الائمة من احادیثهم الا بما صرحوا فیه ومنهم من رد حدیثهم مطلقا ومنهم من قبلهم کابی الزبیر المکی (طبقات المدلسین : ۲۲)

یعنی تیسرے گروہ میں وہ مدلسین شامل ہیں جو بہت زیادہ تدلیس سے کام لیتے تھے۔ پس ائمہ انکی احادیث سے حجت نہیں پکڑتے سوائے اس حدیث کے جس میں انہوں نے صراحت

---

[1] ج ۶ تہذیب التہذیب ۱۴ ۔ (العین ۔ عبید اللہ)

کے ساتھ سماع کا ذکر کیا ہو۔ اس گروہ میں ایسے مدلیسن بھی ہیں جن کی تمام احادیث مطلقاً رد کر دی جاتی ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن کی احادیث مقبول ہیں جیسے ابوزبیر۔

سیوطی نے تمام مشہور مدلیسن کے نام ایک کتابچے میں جمع کر دیئے ہیں جس کا نام "اسماء المدلسین" ہے۔ اس میں آپ نے ستر مدلیسن کے نام گنائے ہیں تاکہ احادیث کی سند پرکھنے کے وقت انکے نام پیش نظر رہیں۔ نمبر ۳۰ میں انکا نام درج ہے اور لکھا ہے کہ نسائی نے انہیں مدلس قرار دیا ہے۔

ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۶ : ۵۴) پر ابن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ ابن جریج اور ابن ابی نجیح دونوں مجاہد سے تفسیری اقوال روایت کرتے ہیں حالانکہ دونوں نے مجاہد سے روایت نہیں سنی۔ مدلس کی خرابی یہی ہوتی ہے کہ وہ مشہور شیخ کا نام لے کر 'عن' سے روایت کر دیتا ہے اور لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس نے خود شیخ سے سنا ہے۔ اور درمیان سے راوی کا ذکر چھوڑ دیتا ہے۔ جو ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ اگر اس راوی کا نام لیا جائے تو کوئی کان نہ دھرے۔ پس ایسے لوگوں کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

اب غور کیجیئے ابن ابی نجیح کو تو مجاہد کا سماع بھی حاصل نہیں جو تابعی تھے اور اس حدیث میں یہ "عن" سے صحابی عبداللہ بن عمرو کا نام لے رہے ہیں جن سے ان کے سماع کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس یہ حدیث منقطع ہے۔ کم ازکم درمیان سے ایک یا دو مجہول ناقابل اعتبار راوی کو حذف کر دیا گیا ہے۔ مزید دوسرے راوی جیسے ضعیف یا وہمی ہیں وہ بھی سب آپ کے سامنے آچکا ہے۔ پس ایسی حدیث جس کے مقابلہ میں متفق علیہ حدیث ہو وہ بالکل مردود ہے۔

ان میں ایک اور عیب بھی تھا۔ وہ یہ کہ عقائد بھی درست نہ تھے۔ یہ قدری تھے۔

ذھبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء، جلد ۹ صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں یوں درج ہے۔

زنیج جو مسلم کے رجال میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جریر کو یہ کہتے سنا کہ میں نے ابن ابی نجیح کو دیکھا مگر اس کی کوئی روایت نہیں لکھی۔ میں نے جابر الجعفی کو دیکھا مگر اس کی کوئی بات نہیں لکھی۔ میں نے ابن جریج کو دیکھا مگر اس سے بھی کچھ نہیں لکھا۔ یہ سن کر ایک آدمی نے کہا کہ

پھر تو آپ سے یہ روایات ضائع ہوگئیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ جعفر جو ہے وہ رجعت کا قائل تھا۔ ابن ابی نجیح قدری تھا۔ ابن جریج متعہ کو جائز سمجھتا تھا اور اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ ۶۰ عورتیں ہیں جن سے تم رشتہ ازدواج مت قائم کرنا۔ وہ تمہاری مائیں ہیں۔

مکہ کے کرایہ کے ناجائز ہونے کے سلسلے کا راوی ابن ابی نجیح ہے۔ اس کا ثبوت امام محمدؒ کی کتاب الآثار اور مستدرک حاکم وغیرہ کتب سے مہیا ہو جاتا ہے۔

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ نَجِیْحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَکَلَ مِنْ اَکْلِ مِنْ اُجُوْرِ مَکَّةَ شَیْئًا فَاِنَّمَا یَاْکُلُ نَارًا وَکَانَ اَبُوْحَنِیْفَةَ یَکْرَهُ اُجُوْرَ بُیُوْتِهَا فِی الْمَوْسِمِ وَفِی الرَّجُلِ یَعْتَمِرُ ثُمَّ یَرْجِعُ فَاَمَّا الْمُقِیْمُ وَالْمُجَاوِرُ فَلَا یرى باخذ ذٰلِكَ مِنْهُمْ بَاسًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاخُذُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو کوئی مکّے کے گھروں کی اُجرت کھا دے تو آگ کھاتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ حج کے دنوں میں مکّے کے گھروں کی اُجرت لینی مکروہ ہے اور اسی طرح جو کوئی عمرہ کرکے پھر جاوے اس سے بھی اُجرت لینی مکروہ ہے اور جو کوئی وہاں رہتا ہو یا مجاور ہو تو ان سے اُجرت لینی درست ہے امام محمدؒ نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اَبِیْ زِیَادٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ نُجَیْحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَکَّةَ فَحَرَامٌ بَیْعُ رِبَاعِهَا وَاَکْلُ ثَمَنِهَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاخُذُ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ تُبَاعَ الْاَرْضُ فَاَمَّا الْبِنَاءُ فَلَا بَاْسَ بِهٖ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ خدا نے مکّہ حرام کیا اس لیے حرام ہے اس کے گھروں کا بیچنا اور ان کی قیمت کھانا امام محمدؒ نے

کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں کہ نہیں لائق ہے بیچنا زمین مکے کا۔ لیکن اس میں گھر بنانا درست ہے اور بیچنا بھی۔

مندرجہ بالا دونوں اسناد سے تعین ہو جاتا ہے کہ درمیان کے دونوں راوی عبداللہ بن ابی زیاد اور ابن ابی نجیح ہیں جن کے ناقابل اعتبار ہونے کا ثبوت اوپر گذر چکا ہے۔

اوپر امام محمدؒ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ خود امام ابوحنیفہؒ بھی ان روایات کو وقعت نہیں دیتے تھے۔ اگر وہ ان کو صحیح سمجھتے تو صرف حج کے دنوں میں حاجیوں سے کرایہ لینے کو مکروہ نہیں بلکہ حرام قرار دیتے۔ پھر آپ نے صرف حج کے دنوں میں حاجیوں سے کرایہ کو مکروہ کیا۔ اس کے برعکس حج کے دنوں کے علاوہ اور مکہ کے مستقل باشندوں سے کرایہ لینے کو بالکل جائز سمجھتے تھے۔ جو مکہ میں رہتا ہو یا مجاور ہو دونوں سے مکہ کے مکانوں کا کرایہ لینا امام ابوحنیفہ جائز قرار دیتے تھے۔ یہ کتاب الآثار سے ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مذکورہ حدیث پر امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کسی کا عمل نہ تھا کیونکہ حدیث مطلقاً مکہ کے کرایہ کو آگ کھانے کے برابر قرار دے رہی ہے۔ حدیث میں حاجی یا غیر حاجی یا حج کے موسم یا غیر موسم کی کوئی تفریق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ روایت کردہ حدیث پر تینوں آئمہ میں سے کسی کا عمل نہیں صرف موسم حج میں جو گنتی کے دن ہوتے ہیں ان دنوں میں مجاوروں اور مقیموں سے کرایہ لینے اور حاجیوں سے گنتی کے دنوں کا کرایہ نہ لینے سے ہرگز مذکورہ حدیث پر عمل ثابت نہیں ہوتا۔ آپ نہ صرف بطور نیکی حاجیوں سے کرایہ لینا اچھا نہ سمجھا اور اسے مکروہ کر دیا اور مکروہ تنزیہی بھی ہوتا ہے۔ مکروہ تنزیہی ہونا اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ تینوں آئمہ حج کے علاوہ باقی تمام سال مکہ کے مکانوں کے کرایوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مکانوں کی قیمت لینے کو بھی روایت میں حرام کہا گیا ہے جبکہ مکہ کے مکانوں کی قیمت لینے کو یہ آئمہ تینوں جائز قرار دیتے ہیں۔ مکان کے بیچنے کو جائز سمجھتے تھے۔ زمین کے بیچنے میں تینوں میں اختلاف تھا۔ حنفی اصول حدیث کا ایک بہت عمدہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی حدیث پر راوی کا عمل نہ ہو تو وہ حدیث قابل رد ہوگی

پس جب تینوں آئمہ حج کے گنتی کے دنوں کے علاوہ سارے سال مکہؐ کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز سمجھتے ہیں تو یہ حدیث مردود ٹھہری ۔

امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ ص ۱۱۷ ۔

قال محمد بعد ما اخرج هذا الحديث : وبه نأخذ ، لاينبغي ان تباع الارض ، فاما البناء فلا باس به ، وقال تحت حديث : (من أكل من اجور بيوت مكة فانما ياكل نارا) وكان ابوحنيفة يكره اجور بيوتها في الموسم ، وفي الرجل يعتمر ثم يرجع ، فاما المقيم والمجاور فلا يرى باخذ ذلك منهم باسا ، قال محمد : وبه ناخذ ۔

پھر امام ابو یوسف بھی مذکورہ بالا حدیث کے راوی ہیں لیکن وہ تو بالکل امام شافعیؒ کے موافق ہیں اور مکہؐ کے مکانات کی بیع اور کرایہ کو بالکل شافعیؒ کی طرح جائز سمجھتے ہیں گویا حدیث کے ان راوی کا عمل بھی حدیث کے خلاف ۔ اس طرح سے بھی یہ حدیث مردود ٹھہری ۔

امام محمدؒ کی جامع الصغیر کا واضح بیان

جامع الصغیر میں امام محمدؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکہؐ کے مکانوں کی بیع بالکل جائز ہے ۔ پس ثابت ہوگیا کہ خود امام ابوحنیفہؒ کا اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہیں اس لیے وہ روایت قابل رد ہے ۔ مزید جامع الصغیر کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکہؐ کے مکانات کی بیع جائز ہے ۔ لیکن زمین کے بیع جائز نہیں اور صاحبین کے نزدیک یعنی ابو یوسفؒ اور محمدؒ دونوں کے نزدیک زمین مکہ کی بیع بھی جائز ہے ۔ یہ دونوں مذکورہ حدیث کے آخری راوی ہیں جو اس حدیث کو حجت نہیں سمجھتے اور جن کا فتوی اس حدیث کے خلاف ہے ۔ پس مذکورہ حدیث مردود قرار پاتی ہے ۔ عربی حوالہ ملاحظہ ہو ۔

ولا باس ببيع بناء بيوت مكة . ويكره بيع ارضها . والله اعلم .

قوله : " ويكره بيع ارضها " . هذا عند ابي حنيفة ، وعندهما لا باس ببيع ارضها ايضا ، لانها مملوكة لهم كالبناء . ولابي حنيفة ان مكة حرة محرمة بالنص ، فلا يجوز بيعها ، لان بيع الحرائر حرام ۔

کتاب الآثار لابی یوسف کے محشی ابوالوفا کی ابن ابی نجیح کو ابی نجیح قرار دینے کی افسوسناک کوشش

امام محمد کی الآثار میں آپنے دیکھ لیا عبیداللہ بن ابی زیاد روایت ابن ابی نجیح سے مکہ کے مکانوں کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ اور ابو یوسف کی کتاب الآثار جو اصل مخطوطہ ہے اس میں بھی ابن ابی نجیح ہے تعجب ہے کہ ابوالوفا حنفی ہونے کے باوجود ابو یوسف کی کتاب الآثار کے حاشیہ لکھا ہے کہ اصل نسخہ جو ابو یوسف کا ہے اس میں ابن ابی نجیح لکھا ہے اور آثار محمد میں بھی ابن ابی نجیح لکھا ہے۔ وہ غلط ہے ثبوت ودارقطنی سے لاتے ہیں اور مسندامام اعظم سے جو ۷۶۴ھ کی تصنیف ہے۔ یادرہے کہ دارقطنی نے امام اعظم کی تضعیف کی ہے تو گویا ابوالوفا خود صاحبین کی بھی تضعیف کر رہے ہیں۔ یا للعجب ابوالوفا صاحب حاشیہ میں یوں لکھتے ہیں

ابو نجیح هو یسار الثقفی مولی الاخنس المکی، روی عن معاویة وابی هریرة وابی سعید وابن عباس وابن عمر وعبید بن عمیر وغیرهم، وعنه ابنه عبد الله وعمرو بن دینار ومیمون وعبدالرحمٰن بن خضیر۔ روی له السنة الا البخاری وابن ماجه، وثقه ابن معین، قلت: وفی الا وابن ابی نجیح وکذا فی آثار محمد وهو غلط: لان الحدیث اخرجه طلحة وابن خسرو والدارقطنی عنه عن عبدالله عن ابی نجیح و ابنه عبد الله ابی نجیح روی عنه الامام وامثاله، وهو من اقران عبید الله۔ ۱۲

دوسرا غضب ابوالوفا نے یہ کیا کہ آثار ابی یوسف متن میں بھی نام تبدیل کر دیا۔ حالانکہ ان کو اصل میں تبدیل کرنے کا حق نہ تھا۔ حاشیہ میں جو چاہے رائے دے سکتے تھے۔ آثار ابی یوسف میں ایک روایت ہے اور آثار محمد میں دو روایات ہیں اور دونوں میں ابن ابی نجیح ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔ اس روایت میں نہ ابوحنیفہ ہیں نہ صاحبین بلکہ ابن اسرائیل عن عبیداللہ بن ابی زیاد عن ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں (سنن دارقطنی: ۲: ۲۹۹، ۳۰۰)

ثنا عثمان بن احمد الدقاق نا اسحاق بن ابراهيم الختلی نا محمد بن ابی السری نا المعتمر بن سلیمان عن ابن اسرائیل عن عبید الله بن ابی زیاد، عن ابن ابی نجیح، عن عبد الله ابن عمرو رفع الحدیث قال: ومن اکل (۱۱۱) کراء بیوت مکة اکل نارا،

پس اسرائیل کی روایت سے جو دارقطنی ہی میں ہے صاحبین کی تینوں (۲+۱) روایات کی سند کی تصدیق ہو گئی کہ عبیداللہ ابن ابی ابن ابی نجیح سے مذکورہ حدیث کو روایت کرتے ہیں نہ کہ ابو نجیح سے مسند امام اعظم کی تصحیح تو آثار محمد و آثار ابی یوسف سے ہو سکتی لیکن آثار محمد اور آثار ابی یوسف کی تصحیح مسند امام اعظم جیسی ۷۴۶ھ کی کتاب جس کا درجہ بہت کم ہے۔ گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنے کے مترادف ہے پھر مستدرک حاکم میں بھی ابوحنیفہ والی حدیث میں ابن ابی نجیح ہے

دوسری بات نوٹ کرنے والی یہ ہے کہ علو اسناد کے لئے یہ تو ممکن ہے کہ کسی راوی نے بیٹے کی بجائے باپ کا نام لے دیا ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی راوی باپ کی بجائے بیٹے کا نام لے کر نزول اسناد کا مرتکب ہو۔ ابن ابی نجیح مدلس تھا اور اس نے مجاہد سے روایت کی ہے تدلیس کر کے ان کا نام لے دیتا تھا حالانکہ اس نے مجاہد سے کچھ نہیں سنا تھا۔ نسائی نے اسے مدلس کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی اس نے اپنے باپ کا نام تدلیساً لے دیا ہو یا کسی راوی نے اختصار سے یا علو اسناد حاصل کرنے کے لیے اس کے باپ کا نام لے دیا ہو۔ ابن ابی نجیح کو امام ابن حجر عسقلانی نے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے ان کی کتاب "طبقات المدلسین"۔

عبد الله بن ابی نجیح المکی المفسر

اکثر عن مجاهد، وکان یدلس عنه، وصفه بذلك النسائی

الثالثة: من اکثر من التدلیس فلم یحتج الائمة من احادیثهم الا بما صرحوا فیه بالسماع، ومنهم من رد حدیثهم مطلقا، ومنهم من قبلهم کأبی الزبیر المکی۔

مستدرک حاکم سے ثبوت

حاکم نے جو مستدرک میں امام ابوحنیفہ عن عبیداللہ بن ابی زیاد سے آثار محمد والی یوسف والی جو حدیث بیان کی ہے اس میں ابن زیاد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔ (المستدرک ۲: ۵۳)

"(وشاهده) حديث ابي حنيفة الذى حدثناه على بن حمشاد العدل و ابوجعفر بن عبيد الحافظ (قالا) ثنا محمد بن المغيرة السكرى ثنا القاسم بن الحكم العرنى ثنا ابوحنيفة عن عبيد الله بن ابي زياد عن ابي نجيح عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما قال قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم مكة حرام وحرام بيع رباعها وحرام اجر بيوتها قد صحت الروايات ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة صلحا"

پس ازرقی۔ امام محمد۔ امام یوسف۔ دارقطنی۔ حاکم ان سب کی روایات سے ثابت ہو گیا کہ عبیداللہ بن ابی زیاد (ضعیف) ابن ابی نجیح جو خود مشہور مدلس ہے اس سے ہی روایت کرتے ہیں نہ کہ ان کے والد ابونجیح سے (ابونجیح کا نام تصحیف ہے)

ازرقی کتاب: اخبار مکہ سے ثبوت

ازرقی نے بھی جو حدیث بیان کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد عن ابن ابی نجیح ہی سے روایت کرتے ہیں

ازرقی نے پہلی روایات تو علقمہ بن نضلۃ والی بیان کی ہے جس کا قابل رد ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں اور دوسری روایت ابن ابی نجیح والی ہے جس کا فوٹو حسب ذیل ہے (صفحہ ۱۶۲)

"حدثنا ابوالوليد قال حدثني جدي حدثنا مسلم بن خالد الزنجي عن عبيد الله بن ابي زياد عن ابن ابي نجيح عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال من اكل كراء بيوت المكة فانما يأكل في بطنه نارا۔

مذکورہ بالا سند میں تیسرے ضعیف راوی مسلم بن خالد الزنجی ہیں۔ ابن حبان نے کتاب المجروحین میں لکھا ہے کہ اس کی روایات موضوع یا مقلوب ہوتی ہیں۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وابوزرعۃ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے (المغنی فی الضعفاء ۲: ۶۵۵)
یہ معلوم ہے کہ بخاری جس کو منکر الحدیث کہیں اس سے روایت جائز نہیں (صفحہ ۱۶۵)
پھر ازرقی نے چار اور روایات بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں

"حدثنا ابو الولید حدثنی قال: (۱) جدی حدثنا یحیی بن سلیم حدثنا عبد اللہ بن صفوان الوطی قال: سمعت ابی یقول: بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: کان ساکن مکۃ حیا من العرب، فکانوا یکرون الظلال، ویبیعون الماء فابد لھا اللہ تعالیٰ بھم قریشا فکانوا یظلون فی الظلال، ویسقون الماء۔

حدثنا ابو الولید قال: حدثنی جدی عن حماد بن شعیب الکوفی عن الاعمش عن مجاھد قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع رباع مکۃ وعن اجر بیوتھا

حدثنا ابو الولید قال: حدثنی جدی عن سعید بن سالم عن ابن جریج قال: کان عطاء ینھی عن الکراء فی الحرام، قال ابن جریج: قرأت کتابا من عمر بن عبد العزیز الی عبد العزیز بن عبد اللہ بن خالد بن اسید وھو عامله علی مکۃ یامرہ ان لا یکری بمکۃ شیئ، قال ابن جریج اخبرنی عطاء ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه کان ینھی ان تبوب ابواب دور مکۃ

حدثنا ابو الولید قال: حدثنی احمد بن میسرۃ حدثنا عبد المجید بن ابی رواد عن ابیه قال: بلغنی ان مجاھدا کان یقول: الکراء بمکۃ نار، وقال ابی: سمعت عبد الکریم بن ابی المخارق یقول: لا تباع تربتھا، ولا یکری

مذکورہ بالا روایات سب ضعیف اور غیر معروف راویوں کی روایات ہیں۔ وقت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے مفصل بحث ممکن نہیں۔ مختصر کلام کرتے ہیں۔

نمبر۳۔ حدیث نہ صرف غیر معروف راویوں کی ہے۔ بلکہ منقطع ہے جیسا کہ لفظ بلغنی سے ثابت ہے
نمبر۴۔ حدیث میں ایک تو مجاہد تابعی ہیں۔ روایت مرسل ہے۔ دوسرے حماد بن شعیب الکوفی راوی کا ذکر تہذیب التہذیب کی بجائے ابن حجر لسان المیزان میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے نسائیؒ نے ضعیف کہا۔ الساجی نے بھی ضعیف کہا عقیلی نے بھی کہا کہ اس کی متابعت نہیں کی جائے گی۔ کسی ایک نے بھی اس کو روایت کے قابل نہیں سمجھا۔ (۲:۳۴۸) ابن معین وغیرہ نے بھی ضعیف کہا (میزان الاعتدال) ۱:۵۹۶)
نمبر۵۔ سعید بن سالم کو وہم ہوتا تھا۔ وہ عن سے ابن جریج سے روایت کرتا۔ ابن جریج پر مفصل بحث ہو چکی۔ مدلس ہے اور عطاء سے کثرت سے تدلیس کرتا تھا۔ پھر عطا کا خود یہ حال تھا کہ ہر کس و ناکس سے روایت لے لیتے تھے۔ مزید ابن جریج کا خود فتوی مکہ کے مکانوں کا کرایہ لینے کے حق میں تھا۔ حوالہ آگے آرہا ہے۔ پس حنفی اصول حدیث سے یہ روایت رد ہو گئی۔
نمبر۶۔ اس کی سند میں بلغنی کا لفظ انقطاع کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ عبدالمجید بن ابی روّاد کو ابن حبان نے متروک لکھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ یہ قوی نہیں۔ دارقطنی نے کہا لایحتج بہ یعنی ان سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ اہل خراسان ان سے روایت نہیں لیتے تھے۔ دارقطنی نے کہا کہ ان کے والد بھی کمزور (لین) تھے۔ ابو احمد بن علی نے ان سے احادیث روایت کیں لیکن کہ دیا کہ سب غیر محفوظ ہیں۔ ان کا انتقال ۲۸۶ھ میں ہوا تو عبدالرزاق نے کہا کہ اس اللہ کا شکر جس نے امت محمدیہ کو اس سے نجات دی۔ یہ قدری تھے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ محمد بن یحیٰی نے ان کو ضعیف کہا۔ ابن سعد نے کہا کان کثیر الحدیث مرجیا ضیعفا۔ یعنی یہ مرجئے بھی تھے اور ضعیف بھی تھے۔ الساجی کہتے ہیں کہ مالک سے انہوں نے منکر حدیث روایت کی۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں مالک سے جو احادیث انہوں نے روایت کی ان میں حدیث الاعمال کا غلط ہونا سب سے مشہور ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ یہ قوی نہیں۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ روایت تبدیل کر دیتے تھے اور مشہور لوگوں سے منکر احادیث روایت کر دیتے تھے۔ (التہذیب التہذیب ۶:۳۸۲، ۳۸۳)

بھلا ایسے راوی کی بے سند حدیث کی جو "بلغنی" سے روایت کرے کیا وقعت ہو سکتی ہے۔
یہ سب روایات ایسی ضعیف اور ناقابل اعتبار سندوں سے ہیں کہ دوسرے محدثین نے ان کو

بیان کرنے کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ ازرقی کی کتاب کیونکہ خاص مکہ سے متعلق ہے۔ اس لئے انہوں نے اس میں کمزور سے کمزور روایت بھی درج کردی۔

اگلے صفحہ پر اس کا ذکر ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز لوگوں کو مکہ کے مکانوں کا کرایہ لینے سے منع کرتے تھے۔ تو اس سے فتویٰ اخذ نہیں ہوتا۔ وہ تو خود خلیفہ ہوتے ہوئے جیسی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے وہ سب کو معلوم ہے۔ مرتے وقت ان کے پاس صرف وہی جوڑا تھا جو ان کے بدن پر تھا اور وہ صاف نہ تھا۔ وہ قاضی کی تنخواہ بھی جائز نہ سمجھتے تھے اور اپنے قاضیوں کو تنخواہ بھی نہ دیتے تھے

اب اگلا صفحہ ملاحظہ ہو جس میں دونوں طرح کی روایات ہیں۔

وقال: ابي قدمت مكة سنة ماية وعليها عبد العزيز بن عبد الله اميراً فقدم عليه كتاب من عمر بن عبد العزيز ينهى عن كراء بيوت مكة ويامره بتسوية منى، قال: فجعل الناس يدسون اليهم الكراء سراً ويسكنون، قال وقال ابي: حدثني اسماعيل بن امية عن رجل من قريش انه قال: لقد ادركت الناس وان الركبان يقدمون فيبتدرهم من شاء الله من اهل مكة ايهم ينزلهم، ثم نحن اليوم تبتدرهم أينا يكريهم۔

حدثنا ابو الوليد قال: حدثنا جدي حدثنا مسلم بن خالد عن اسماعيل بن اُمية عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه اخرج الرقيق والدواب من مكة ولم يدع احداً يبوب داره بمكة، حتى استاذنته هند بنت سهيل وقالت: انما اريد بذلك احراز متاع الحاج وظهرهم فان لها فعملت بابين على دارها۔

حدثنا ابو الوليد قال: حدثنا جدي حدثنا سفيان عن ابن جريج عن ابن ابي مليكة عن ابن عباس ان ابن صفوان قال له: كيف وجدتم امارة الاحلاف فيكم؟ قال: التي قبلها خير منها، قال فقال ابن صفوان: فان عمر قال كذا الشيء لم يذكره سفيان، قال ابن عباس: اسنة عمر تريد هيهات هيهات تركت والله سنة عمر شرقاً ومغرباً، قضى عمر ان اسفل الوادي واعلاه مناخ للحاج، وان اجياد وقعيقعان للمرعيين والذاهب، واتخذ تها انت وصاحبك

دوراً وقصوراً۔

صفحہ ۱۶۴ پر جو تین روایات ہیں ان پر بالکل مختصر کلام یہ ہے کہ پہلی حدیث میں عن رجل من قریش، کا ذکر ہے یعنی راوی مجہول ہے اور مجہول کی پوزیشن ضعیف سے کمتر ہوتی ہے۔

دوسری روایت میں مسلم بن خالد راوی ہیں۔ ان پر ہم مفصل کلام کر چکے ہیں۔

تیسری روایت ابن جریج کی ہے۔ ان پر بھی ہم مفصل کلام کر چکے ہیں یہ مدلس بھی ہیں اور "عن" سے روایت کر رہے ہیں پس یہ روایت بھی مردود ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ روایت کو بدل دیا کرتے تھے۔

اب ہم اس باب کی طرف آتے ہیں جو ازرقی نے ان لوگوں کے حق میں لکھا ہے جو مکہ کے مکانوں کا کرایہ جائز سمجھتے ہیں اور جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی مکہ کے مکانوں کا کرایہ جائز ہے۔

من لم یر بکرائها وبیع رباعها باسا

حدثنا ابو الولید قال: حدثنی جدی وابراهیم بن محمد الشافعی قالا: اخبرنا عبد الرحمٰن بن الحسن بن القاسم بن عقبة الازرقی عن ابراهیم عن علقمة بن نضلة قال: وقف ابو سفیان بن حرب علی ردم الحذاء بن فضرب برجله فقال: سنام الارض ان لها سنا ما یزعم ابن فرقد۔ یعنی عتبة بن فرقد السلمی۔ انی لا اعرف حقی من حقه، له سواد المروة، ولی بیاضها، ولی ما بین مقامی هذا الی تجنبی۔ ثنیة قریب من الطائف، قال: فبلغ ذلك عمر بن الخطاب رضی الله عنه، فقال: ان اباسفیان لقدیم الظلم، لیس لاحد حق الا ما احاطت علیه جدراته۔

حدثنا ابو الولید قال۔ حدثنی جدی حدثنا سفیان عن عمرو بن دینار عن طاوس قال قیل لصفوان بن امیة وهو با علی مکة: انه لا دین لمن لا یهاجر، فقال: لا اصل الی منزلی حتی اتی المدینة، فقدم المدینة فنزل علی العباس رضی الله عنه، ثم اتی المسجد فنام ووضع خمیصة له تحت رأسه فاتاه سارق

فسرقها ، فأخذه فجاء به الى النبي ﷺ فأمر به أن تقطع يده، فقال : يا رسول الله هي له ، قال : فهل لا كان ذلك قبل أن تأتيني به ؟ فقال : مـا جاء بك ، قال قيل : انه لا دين لمن لم يهاجر ، قال : ارجع أبا وهب الى اباطـح مكة فقروا على سكناتكـم فقد[٢] انقطعت الهجرة ، ولكن جهـاد ونية وإذا[٣] استنفرتم فانفروا ، حدثنا ابو الوليد قال : حدثني جدي حدثنا ابن عيينة عن عمرو بن دينار عن عبد الرحمن بن فروخ ان نافع بن عبد الحارث ابتاع من صفوان ابن أمية دار السجن وهي دار آم وايل لعمر بن الخطـاب رضي الله عنه بأربعة آلاف درهم، فان رضي عمر فالبيع له، وإن لم يرض فلصفوان أربعمائة درهم[٤] : حدثنا ابو الوليد قال : حدثني جدي عن سعيد بن سالم عن ابن جريج أخبرني هشام بن حجير عن طاوس قال : الله يعلم اني سألته عن مسكن لي ، فقال : كل كراه — يعني مكة — قال ابن جريج : وكان عمرو بن دينار لا يرى به بأساً ، قال : وكيف يكون به بأس ؟ والربع يباع ويوكل ثمنه ، وقد ابتاع عمر رضى الله عنه دار السجن بأربعة آلاف درهم وأعربوا فيها اربعماية عمرو القايـل ، حدثنا أبو الوليد قـال : حدثني احمد بن ميسرة عن عبد المجيد بن عبد العزيز ابن أبي رواد عن أبيه قـال : بلغني أن طاوساً وعمرو بن دينار كانا لا يريان بكراء بيوت مكة بأساً ، قـال عبد العزيز ابن أبي رواد : وذكر لعمرو بن دينار قول عبد الكريم بن ابي المخارق : لا تباع تربتها ، ولا يكرى ظلهـا ، فقال : جاءوا به يا خراساني على الروي[١] اھ

باب ان کے بارے میں جو مکہ کے مکانوں کے کرایہ اور خرید و فروخت کو جائز سمجھتے تھے

اس باب میں سب سے پہلی روایت علقمۃ بن نضلۃ کی ہے جن کی روایت ابن ماجہ میں مکہ کے مکانوں کے کرایہ کے خلاف ہے۔

۲ ازرقی نے اس روایت کو مکہ کے کرایہ کے جواز کے طور پر بیان کیا ہے کیونکہ اس میں ابوسفیان کا ذکر ہے جن کا مکہ میں مکان تھا اور جب ان کا جھگڑا ابن فرقد سے سفید زمین کے متعلق ہوا تو حضرت عمرؓ نے ابوسفیان پر واضح کر دیا کہ انسان کا حق اسی زمین پر ہے جو دیواروں کے اندر

واقع ہو۔ اس روایت سے ازرقی نے دلیل پکڑی مکہ کے مکانوں کے خرید وفروخت اور کرایہ کے جواز پر۔

دوسری حدیث ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفوان بن امیہ پر واضح کر دیا کہ اب ہجرت نہیں رہی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جس نے ہجرت نہیں کی اس کا کوئی دین نہیں۔ یہ اب صحیح نہیں تم بیشک اب مکہ جاؤ۔ اپنے مکان میں مستقل سکونت اختیار کرو۔ اب ہجرت ختم ہو گئی ہے۔ اب صرف جہاد باقی ہے۔

اگلی حدیث میں ہے کہ ان میں صفوان بن امیہ سے نافع بن عبدالحارث نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مکان خریدا جیل خانہ بنانے کے لیے۔ قیمت چار ہزار درہم مقرر کی اور کہا کہ حضرت عمرؓ راضی ہو گئے تو تم کو چار ہزار درہم مل جائیں گے۔ اگر ان کو یہ قیمت منظور نہ ہوئی تو صفوان کو چار سو درہم ملیں گے۔

ابن جریج کا اعلان کہ مکہ کے مکانوں کا کرایہ جائز ہے اور ابن جریج کا بحث کرنا

اگلی روایت میں ہے کہ حضرت طاؤس نے ابن جبیر کو کہا کہ مکہ کے مکان کا کرایہ کھاؤ۔ ابن جریج اس روایت کو بیان کرکے مزید کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن دینار بھی مکہ کے مکانوں کا کرایہ کو جائز سمجھتے تھے اور بھلا مکہ کے مکان کا کرایہ کیوں جائز نہ ہو جب کہ مکان وہاں بیچے جاتے ہیں اور ان کی قیمت کھائی جاتی ہے اور بیشک حضرت عمرؓ نے چار ہزار میں مکہ کا مکان جیل خانہ بنانے کے لیے خریدا۔ اور اصل قیمت میں چار سو درہم پیشگی ادا کیئے گئے۔

عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد جنہوں نے کرایوں کے خلاف روایت کی تھی اب کرایوں کے حق میں روایت کرتے ہیں کرایوں کے حق میں دلیل لاتے ہیں

ازرقی کی اگلی روایت میں ہے کہ عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد اپنے والد سے روایت کرتے

ہیں کہ طاؤس اور عمرو بن دینار مکہ کے مکانوں کے کرایہ میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے تھے۔ مزید عبدالعزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں کہ عمرو بن دینار کے سامنے عبدالکریم بن ابی المخارق کا قول بیان ہوا کہ مکہ کی مٹی بیچی جا سکتی ہے اور نہ سایہ کا کرایہ لیا جا سکتا ہے۔ اس پر وہ بولے کہ اے خراسانی یہ ضعیف بات لائے ہیں

پس آپ نے دیکھ لیا کہ وہ راوی جنہوں نے مکہ کے مکانوں کے کرایہ کے خلاف روایت بیان کی تھی وہ خود مکہ کے مکانوں کے حق میں فتویٰ دیتے تھے اور بحث کرتے تھے اور دلیل مہیا کرتے تھے اب حنفی اصول حدیث کی رو سے جب راوی کا اپنا عمل یا فتویٰ اس روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو ایسی حدیث مردود ہو گی۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ روایت کرنے والا راوی اس پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کے خلاف عمل کرتا اور فتویٰ دیتا ہے تو ہمارے لیے ایسی روایت کو قبول کرنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔

حنفی اصول حدیث ابو زہرہ کے الفاظ میں

ابو زہرا اپنی کتاب اصول فقہ میں ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں تینوں امام ابو حنیفہ، شافعی اور احمد اخبار احاد کو اس صورت میں قبول کرتے تھے جب کہ اس میں صحت کی تمام شرائط پوری ہوتی ہوں۔ لیکن امام ابو حنیفہ خبر واحد کی صورت میں راوی کے ثقہ ہونے اور عادل ہونے کے علاوہ ایک مزید شرط بھی لگاتے تھے۔ وہ یہ کہ راوی جو بات روایت کر رہا ہو اس کا عمل اس کے خلاف نہ ہو۔ اس وجہ سے یہ جو روایت کی جاتی ہے۔ ابو ہریرہ سے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھونا چاہیے۔ ایک مرتبہ پاک مٹی لگا کر دھویا جائے۔ اس روایت کو ابو حنیفہ نہیں قبول کرتے کیونکہ اس کے راوی ابو ہریرہ اس کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے جب کہ تین مرتبہ دھونا کافی ہوتا تھا۔ پس یہ بات روایت کو ضعیف بنا دیتی ہے۔ اور پھر اس روایت کی نسبت جو ابو ہریرہ کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ خود حضرت عمرؓ نے مکان مکہ کا خریدا وہ بھی مسلمانوں کے کام کے لئے پھر بھی انہوں نے قیمت دے کر خریدا۔ حضرت عمرؓ کے اس عمل سے وہ تمام مرسل اور منقطع روایات ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں جن میں یہ کہا گیا ہو کہ حضرت عمرؓ کے مکہ کے مکانوں کی خرید فروخت یا کرایہ لینے سے منع کیا تھا۔ اب حنفی اصول فقہ کا بیان ابو زہرہ کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمادیں۔

ولقد كان الأئمة الثلاثة أبو حنيفة والشافعي وأحمد يأخذون بأخبار الآحاد إذا استوفت شروط الرواية الصحيحة، بيد أن أبا حنيفة اشترط مع الثقة بالراوي وعدالته ألا يخالف عمله ما يرويه، ومع ذلك ما روي من أن أبا هريرة كان يروي خبر «إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً إحداهن بالتراب الطاهر»، فإن أبا حنيفة لم يأخذ به، لأن راويه وهو أبو هريرة كان لا يعمل به، إذا كان يكتفي بالغسل ثلاثاً، فكان هذا مضعفاً للرواية، ونسبتها حتى إلى أبي هريرة.

ہم کہتے ہیں کہ جب راوی کا عمل روایت پر نہ ہونے سے ثقہ راوی کی روایت بھی ضعیف ہو جاتی ہے تو اگر راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہو تو ایسی روایت صرف ضعیف نہ ہوگی بلکہ بالکل مردود ٹھہرے گی۔ کیونکہ عمل تو کسی مجبوری یا اضطرار کی وجہ سے یا تساہل وغیرہ کی وجہ سے خلاف ہو سکتا ہے لیکن اگر فتویٰ اس رائے کے خلاف ہے اور راوی اس روایت میں بیان کردہ بات کے خلاف مناظرہ کرتا ہے اور فتویٰ دیتا ہے تو ایسی روایت ہر صورت میں مردود قرار پائے گی اور راوی کی طرف اس روایت کی نسبت بھی قابل اعتبار نہ رہے گی۔ یا یہ کہا جائے گا کہ راوی نے خود بھی اس کو رد کر دیا ہے پھر اس پر کوئی دوسرا کیسے عمل کر سکتا ہے یا اسے بطور دلیل کیسے عمل کر سکتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تمام وہ روایات جو مکہ کے مکانوں کے کرایہ کے خلاف ابو یوسف۔ محمد۔ طحاوی۔ ابن جریجؒ علقمہ۔ عبدالمجید بن عبدالعزیز رواد وغیرہ سے مروی ہیں سب مردود قرار پاتی ہیں۔ ان سے دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ بلکہ ہم یاد دلائیں کہ خود ابو حنیفہ سارا سال مکہ کے مکانوں کا کرایہ جائز سمجھتے تھے۔ صرف حاجیوں کے لیے حج کے گنتی کے دنوں کے لیے حرام نہیں محض مکروہ سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ مکروہ تنزیہی ہی سمجھتے ہوں گے کیونکہ باقی سال میں تو کرایہ ان کے نزدیک بھی جائز تھا بلکہ حج کی دنوں میں بھی مقامی لوگوں کے کرایہ جائز ہے سمجھتے تھے۔

اب ہم مصنف عبدالرزاق کی روایات کو لیتے ہیں عبدالرزاق نے جو باب باندھا ہے اس کی پہلی روایت کا نمبر ۹۲۱۰ ہے۔ یہ ابن جریج کی روایت ہے اور عطا حضرت عمرؓ کا قول بیان کرتے ہیں۔

ابن جریج مدلس ہیں اور عطا ہر کس وناکس سے روایت لیتے تھے اور عطاء کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں۔ پس سند میں انقطاع ہے۔ مختصر یہ کہ یہ روایت ناقابل قبول ٹھہرتی ہے کئی پہلوؤں سے۔ اس کے آگے یوں ارشاد ہوتا ہے:۔

٩٢١١ - عبد الرزاق [عن معمر](٢) عن منصور عن مجاهد أن عمر بن الخطاب قال : يا أهل مكة ! لا تتخذوا لدوركم أبواباً ، لينزل البادي حيث شاء(٣) ، قال : وأخبرني منصور عن مجاهد قال : نهى عن إجارة بيوت مكة ، وبيع رباعها(٤) ، قال : وأخبرني معمر ، وأخبرني بعض أهل مكة ، قال : لقد استُخلف معاوية وما لِدار بمكة بابٌ ، قال معمر : وأخبرني من سمع عطاء يقول : ﴿سَوَآءً ٱلْعَاكِفُ فِيهِ وَٱلْبَادِ﴾(٥) قال : ينزلون حيث شاءوا(٦)

مذکورہ بالا روایت کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں سند دو جگہ معنن ہے اور پھر مجاہد حضرت عمرؓ سے روایت کر رہے ہیں جن سے ان کو سماع حاصل نہیں ہوا۔ بس روایت منقطع ہے۔ دوسرے حصے میں معمر کہتے ہیں کہ مجھے مکہ کے بعض لوگوں نے بتایا۔ یہاں راوی مجہول ہے۔ پس پوری روایت ناقابل اعتبار ہے۔ پھر عبد الرزاق کا نام بھی مدلسوں میں شامل ہے اور وہ عن سے روایت کر رہے ہیں

عبد الرزاق عن ابن جريج قال : قرأت كتاباً من عمر بن عبد العزيز إلى عبد العزيز بن عبد الله يأمره أن لا يُكرى بمكة شيء(٧) .

٩٢١٣ - عبد الرزاق عن ابن جريج قال : أخبرني حُجير عن طاووس قال : الله يعلمه أني سألته عن مسكن لي ، فقال : كل كراءه

قال ابن جريج : ولا يرى به عمرو بن دينار باساً ، قال : وكيف يكون به بأس والرَبع(١) يباع فيؤكل ثمنه(٢) ، وقد ابتاع عمر بن

الخطاب دار السجن بأربعة آلاف دينار. عن عبد الرحمن بن فروخ[٣]،
وقال الثوري عن أبيه: عن[٤] نافع [بن] [٥] عبد الحارث اشترى من
صفوان بن أمية دار السجن بثلاثة آلاف، فإن عمر رضي فالبيع
بيعه، وإن عمر لم يرض بالبيع، فلصفوان أربع مئة درهم، فأخذها
عمر.[٦] (اس کو بخاری نے بھی کیا (تہذیب التہذیب ۶: ۵۲

اگلی روایت حضرت عمر بن عبد العزیز کے خط سے متعلق ہے۔ اس پر پہلے کلام ہو چکا ہے۔
۹۲۱۳۔ اس روایت کو ازرقی بھی ابن جریج کے طریق پر روایت کر چکے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس میں مکہ کے مکان کے کرایہ کے جواز کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ حضرت عمر نے مکہ میں جیل خانہ کے لیے مکان خریدا۔ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بھی بیان کیا۔ ابن جریج ہی کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے اور وہ روایت کر رہے ہیں کہ کرایہ لینے میں ہرج کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مکان مکہ میں بیچے جاتے تھے اور ان کی قیمت کھائی جاتی تھی۔
ہم کہتے ہیں کہ یہ ثابت ہونے کے بعد کہ حضرت عمرؓ نے خود مکہ میں مکان خریدا۔ اس بات میں شبہ باقی نہیں رہتا کہ مکہ کے مکان بیچنا اور ان کا کرایہ جائز ہے اور حاجیوں کو اگر موسم حج میں رعایت دیدی جائے تو یہ ایسا ہی کہ کوئی مسافر کسی سے اس کے مکان میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگے اور مالک مکان کرایہ طلب کرے۔ ویسے بھی تین روز کی مہمانی کا اسلام میں حکم ہے
محقق علماء کی رائے یہی ہے کہ مکے کے مکانوں کے کرایہ سے منع کرنے والی روایات ضعیف ہیں
المغنی مع الشرح الکبیر ۴: ۲۰ میں یوں آتا ہے۔

أنه يجوز ذلك روي ذلك عن طاوس وعمرو بن دينار وهو قول
الشافعي وابن المنذر وهو أظهر في الحجة لأن النبي صلى الله عليه وسلم لما قيل له أين تنزل غداً قال «وهل ترك
لنا عقيل من رباع» متفق عليه، يعني أن عقيلا باع رباع أبي طالب لأنه ورثه دون اخوته لكونه كان
على دينه دونهما ولو كانت غير مملوكة لما أثر بيع عقيل شيئاً ولأن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لهم دور

بمكة كأبي بكر والزبير وحكيم بن حزام وأبي سفيان وسائر أهل مكة فنهم من باع ومنهم من ترك داره فهي في يد أعقابهم، وقد باع حكيم بن حزام دار الندوة فقال له ابن الزبير بعت مكرمة قريش فقال يا ابن أخي ذهبت المكارم إلى التقوى أو كما قال، واشترى معاوية منه دارين، واشترى عمر رضي الله عنه دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف ولم يزل أهل مكة يتصرفون في دورهم تصرف الملاك بالبيع وغيره ولم ينكره منكر فكان اجماعا، وقد قرره النبي صلى الله عليه وسلم بنسبة دورهم اليهم فقال «من دخل دار أبي سفيان فهو آمن ومن أغلق بابه فهو آمن» وأقرهم في دورهم ورباعهم ولم ينقل أحداً عن داره ولا وجد منه مايدل على زوال أملاكهم وكذلك من بعده من الخلفاء حتى ان عمر مع شدته في الحق لما احتاج إلى دار للسجن لم يأخذها إلا بالبيع. ولأنها أرض حية لم يرد عليها صدقة محرمة فجاز بيعها كسائر الارض وماروي من الاحاديث في خلاف هذا فهو ضعيف. وأما كونها فتحت عنوة فهو صحيح لا يمكن دفعه الا ان النبي صلى الله عليه وسلم أقر اهلها فيها على أملاكهم ورباعهم فيدل ذلك على أنه تركها لهم كما ترك لهوازن نساءهم وابناءهم (۱) وعلى القول الاول من كان ساكن دار أو منزل فهو أحق به

یعنی جب حضورؐ سے پوچھا کہ کل آپ کون سے مکان میں قیام فرمائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لئے مکان چھوڑا؟ لفظ رباع کا ہے جس کا اطلاق زمین پر بھی ہوتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ پھر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات مکہ میں تھے۔ جیسے ابوبکر۔ زبیر۔ حکیم بن حزام۔ ابوسفیان اور تمام مکہ والے۔ ان میں سے کچھ نے اپنے مکان بیچ دیے۔ جنہوں نے نہیں بیچے وہ ان کے

وارثوں کو ملتے رہے۔ حکیم بن حزام نے دارالندوہ بیچا۔ معاویہ نے دو مکانات خریدے۔ حضرت عمر نے خریدا۔ اہل مکہ ہمیشہ اپنے مکانات بیچتے رہے اور ان میں ایسے تصرف کرتے رہے جیسے لوگ اپنی ملکیت میں کرتے ہیں۔ کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح سے اجماع ثابت ہوگیا...... حضرت عمرؓ نے بھی خریدا...۔ جو روایات اس کے خلاف ہیں وہ ضعیف ہیں۔ بیشک مکہ جنگ سے فتح ہوا۔ مگر آپ نے ان کو ان کی املاک پر اور زمینوں پر قائم رکھا اور ان کو ایسے ہی آزاد کیا جیسے ہوازن

کی عورتوں اور بچوں کو آزاد کر دیا تھا۔

مولانا رشید احمد گنگوھی لامع الدراری میں فرماتے ہیں :۔

أنه يجوز بيع رباعها وإجارة بيوتها وهو قول الشافعي وابن المنذر، وهو أظهر في الحجة لأن النبي ﷺ لما قيل له: أين تنزل غداً؟ قال: «وهل ترك لنا عقيل من رباع؟» متفق عليه. ولأن أصحاب النبي ﷺ كانت لهم دور بمكة فمنهم من باع ومنهم من ترك داره في يد أعقابهم، واشترى عمر دار السجن من صفوان بن أمية. ولم يزل أهل مكة يتصرفون في دورهم تصرف الملاك بالبيع وغيره ولم ينكره منكر فكان إجماعاً، وقد قرره النبي ﷺ بنسبة دورهم إليهم فقال: «من دخل دار أبي سفيان فهو آمن» وأقرهم في دورهم ورباعهم ولم ينقل احداً عن داره، ولا وجد منه ما يدل على زوال أملاكهم، وكذلك من بعده من الخلفاء حتى إن عمر - رضي الله تعالى عنه - مع شدته في الحق لما احتاج إلى دار السجن لم يأخذها إلا بالبيع. وما روى من الأحاديث في خلاف هذا فهو ضعيف[1]

مولانا رشید احمد گنگوہی کی کتاب میں بھی مذکورہ بالا بات وہی ہے جو شرح الکبیر میں ہے۔ اور آخیر کے الفاظ ملاحظہ ہوں کہ کر ایہ کے خلاف روایات ضعیف ہیں۔

اس سلسلے میں امام شافعی سے بھی زیادہ مدلّل اور عمدہ بحث ہدایہ کی شرح فتح القدیر پر جلد ۱۰ صفحہ ۶۱، ۶۲ مطبوعہ مصر میں دی ہے جس کے بعد شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

الأختصاص الشرعي بها فصار كالبناء) قال في الكافي بعد ذكر هذا التعليل: وقوله عليه الصلاة والسلام «وهل ترك لنا عقيل من ربع» دليل على أن عقار مكة عرضة التمليك والتملك انتهى. وأصل هذا على ما ذكر في غاية البيان وغيرها ماروى الطحاوي في شرح الآثار بإسناده إلى أسامة بن زيد أنه قال «يارسول الله انزل في دارك بمكة؟ قال عليه الصلاة والسلام: وهل ترك لنا عقيل من رباع أو دور» وكان عقيل ورث أبا طالب وطالب، ولم يرثه جعفر ولا علي لأنهما كانا مسلمين، وكان عقيل وطالب كافرين، وكان عمر بن الخطاب من أجل ذلك يقول: لايرث المؤمن الكافر. ففي هذا الحديث مايدل على أن أرض مكة تملك وتورث لأنه قد ذكر فيها ميراث عقيل وطالب مما ترك أبو طالب فيها من رباع ودور انتهى. ثم إن بعض المتأخرين بعد أن ذكر ما في الكافي وأصله المزبور على التفصيل المذكور قال: ولا يخفى عليك أن هذا الحديث لايدل على ميراث الأرض قطعا لاحتمال جريان الإرث على الأبنية دون الأراضي، ألا يرى إلى صحة هذا الحديث أيضا لو كانت الأراضي موقوفة والأبنية عليها مملوكة اهـ. أقول: بل لايخفى على من له أدنى تمييز أن الحديث المذكور يدل على ميراث الأرض أيضا قطعا، إذ قد ذكر فيه أنه عليه الصلاة والسلام قال «وهل ترك لنا عقيل من رباع أو دور» والرباع جمع ربع وهو الدار بعينها حيث كانت والمحلة والمنزل، كذا في القاموس وغيره، ولاشك أن كلا من الدار والمحلة والمنزل اسم لما يشمل البناء والعرصة التي هي الأرض، فكان معنى قوله عليه الصلاة والسلام «وهل ترك لنا عقيل من رباع أو دور» ما ترك لنا شيئا من البناء والأرض، وإذا كان وجه عدم تركه شيئا من ذلك استيلاءه على كل من ذلك بالإرث من أبي طالب كما ذكره الطحاوي في شرح الآثار دل الحديث المذكور قطعا على ميراث الأرض أيضا، وإنما لا يدل على ذلك لو كان لفظ الحديث: وهل ترك لنا عقيل من بيوت، وليس كذلك كما ترى، بل لااحتمال أصلا

---

[1] لامع الدراری: ۵: ۸۴

لأن يكون كذلك ، إذ لو كان كذلك لما تم جوابا عن قول أسامة يارسول الله انزل فى دارك بمكة ، فإن عدم ترك عقيل بيتا باستيلائه على الأبنية وحدها لايقتضى عدم تركه أرضا أيضا حتى لايمكن النزول فى عرصة داره أيضا ، وهذا مع وضوحه كيف خفى على ذلك البعض . والعجب أنه قال فى حاشية كتابه فى هذا المقام : الرباع جمع ربع وهو الدار بعينها والمحلة والمنزل ، كذا فى القاموس انتهى . وقال فى أصل كتابه : ولا يخفى عليك أن هذا الحديث لايدل على ميراث الأرض قطعا لاحتمال جريان الإرث على الأبنية دون الأراضى ، ولم يلاحظ أنه على ذلك كيف يتم جواب النبى صلى الله عليه وسلم بقوله « وهل ترك لنا عقيل من رباع أو دور » والله الهادى إلى سواء السبيل ، وهو حسبى ونعم الوكيل .

امام طحاوی کی بحث بھی بہت ہی عمدہ لاجواب ہے آپ نے وہ روایات بھی نقل کی ہیں جن میں مکہ کے مکانوں نے کرایہ سے منع کیا گیا ہے لیکن پھر دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حق یہی ہے کہ مکہ کے مکانوں کے کرایہ لینا جائز ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ دیکھئے شرح معانی الآثار ۲: ۴۹، ۵۰، ۵۱، مطبوعہ مصر

وخالفهم فى ذلك آخرون ، فقالوا : لا بأس ببيع أرضها[٦] وإجارتها ، وجعلوها فى ذلك ، كسائر البلدان .

وممن ذهب إلى هذا القول ، أبو يوسف واحتجوا فى ذلك ، بما حدثنا يونس ، قال : ثنا وهب ، قال : أخبرنى يونس ، عن ابن شهاب أن عليا بن حسين أخبره أن عمرو بن عثمان أخبره ، عن أسامة بن زيد أنه قال : يارسول الله ، أتنزل فى دارك بمكة ؟ .

فقال « وهل ترك لنا عقيل من رباع أو دور ؟ » .

وكان عقيل ورث أبا طالب ، هو وطالب ، ولم يرثه جعفر ، ولا على ، لأنهما كانا مسلمين ، وكان عقيل وطالب ، كافرين .

وكان عمر بن الخطاب من أجل ذلك يقول « لا يرث المؤمن الكافر »

حدثنا بحر بن نصر قال : ثنا ابن وهب ، فذكر بإسناده مثله . مر دو صح

قال أبو جعفر : ففي هذا الحديث ، ما يدل أن أرض[١] مكة تملك ، وتورث ، لأنه قد ذكر فيها ميراث عقيل وطالب ، لما تركه أبو طالب فيها من رباع ودور ، فهذا خلاف الحديث الأول .

ولما اختلفا ، احتيج إلى النظر فى ذلك ، لنستخرج من القولين ، قولا صحيحا .

ولو صار إلى طريق اختيار الأسانيد ، وصرف القول إلى ذلك ، لكان حديث على بن حسين أصحهما[٢] إسنادا .

ولكنا نحتاج إلى كشف ذلك من طريق النظر ، فاعتبرنا ذلك ، فرأينا المسجد الحرام ، الذى كل الناس فيه سواء ، لايجوز لأحد أن يبنى فيه بناء ، ولا يحتجر منه موضعا ، وكذلك حكم جميع المواضع التى لا يقع لأحد فيها ملك ، وجميع الناس فيها سواء .

الا ترى أن « عرفة » لو أراد رجل أن يبنى فى المكان الذى يقف فيه الناس فيها بناء لم يكن ذلك له .

وكذلك « منى » لو أراد أن يبنى فيها دارا ، كان من ذلك ممنوعا ، وكذلك جاء الأثر عن رسول الله ﷺ .

حدثنا أبو بكرة قال : ثنا الحكم بن مروان الضرير الكوفى ، قال : ثنا إسرائيل عن إبراهيم ابن المهاجر ،

عن يوسف بن ماهك ، عن أمه ، عن عائشة قالت : قلت ، يا رسول الله ، ألا نتخذ لك بـ «منى» شيئا تستظل به ؟.

فقال : « يا عائشة ، إنها مناخ لمن سبق » .

أفلا ترى أن رسول الله ﷺ لم يأذن لهم أن يجعلوا له فيها شيئاً يستظل به ، لأنها مناخ[٢] من سبق ، ولأن الناس كلهم فيها سواء .

حدثنا حسين بن نصر قال: ثنا الفريابي ح

وحدثنا عبد الرحمن بن عمرو الدمشقي ، قال : ثنا أبو نعيم قالا : ثنا إسرائيل ، عن إبراهيم بن المهاجر ، عن يوسف بن ماهك ، عن أمه ، وكانت تخدم عائشة أم المؤمنين ، فحدثته عن عائشة ، مثله .

قال : وسألت أمي مكان عائشة رضي الله عنها بعد ما توفي النبي ﷺ أن تعطيها إياه .

فقالت لها عائشة : « لا أحل لك ولا لأحد من أهل بيتي أن يستحل هذا المكان » تعني « منى » .

قال أبو جعفر : فهذا حكم المواضع التي الناس فيها سواء ، ولا ملك لأحد عليها ، ورأينا مكة على غير ذلك ، قد أجيز البناء فيها .

وقال رسول الله ﷺ ، يوم دخلها : « من دخل دار أبي سفيان ، فهو آمن ، ومن أغلق عليه بابه ، فهو آمن » .

حدثنا بذلك ربيع المؤذن قال : ثنا أسد ، قال : ثنا حماد بن سلمة ، عن ثابت البناني ، عن عبد الله بن رباح ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ .

فلما كانت مكة مما تغلق عليه الأبواب ، ومما تبنى فيها المنازل ، كانت صفتها ، صفة المواضع التي يجري عليها الأملاك ، ويقع فيها المواريث .

فإن احتج محتج في ذلك بقول الله عز وجل « إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ » .

قيل له : قد روي في تأويل هذا عن المتقدمين ، بما قد حدثنا إبراهيم بن مرزوق ، قال : ثنا أبو عاصم ، عن عبد الله بن مسلم ، عن سعيد بن جبير ، عن ابن عباس قال « سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ » وقال : خلق الله فيه سواء .

حدثنا إبراهيم بن مرزوق ، قال: ثنا أبو حذيفة ، قال : ثنا سفيان ، عن أبي حصين قال : أردت أن أعتكف ، فسألت سعيد بن جبير وأنا بمكة فقال : أنت عاكف ، ثم قرأ « سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ » .

حدثنا ابن أبي داود قال : ثنا مسدد قال : ثنا يحيى بن سعيد ، عن عبد الملك ، عن عطاء قال « سواء العاكف فيه والباد » قال : الناس في البيت سواء ، ليس أحد أحق به من أحد .

فثبت بذلك أنه إنما قصد بذلك إلى البيت أو إلى المسجد الحرام ، لا إلى سائر مكة ، وهذا قول أبي يوسف ، رحمة الله عليه .

سنن بیہقی کی روایات و احادیث اس پر دال ہیں کہ مکہ کے مکانوں کا کرایہ جائز ہے۔

باب ماجاء فی بیع دور مکة وکرائها وجریان الارث فیها

(أخبرنا) أبوعبدالله الحافظ ثنا أبوالعباس محمد بن يعقوب ثنا بحر بن نصر ثنا عبدالله بن وهب (ح وأخبرنا) أبوعمرو الاديب أخبرني أبوبكر الاسماعيلي أخبرني الحسن بن سفيان ثنا حرملة بن يحيي أنبا عبدالله بن وهب أخبرني يونس عن ابن شهاب حدثني علي بن الحسين (١) ان عمرو بن عثمان أخبره عن اسامة بن زيد انه قال يارسول الله تنزل في دارك بمكة قال وهل ترك لنا عقيل من دار او دور قال وكان عقيل ورث اباطالب هو وطالب ولم يرثه جعفر ولا علي لانهما كانا مسلمين وكان عقيل وطالب كافرين من اجل ذلك كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول لا يرث المؤمن الكافر ـ لفظ حديث أبي عمرو ـ رواه البخاري في الصحيح عن اصبغ عن ابن وهب ورواه مسلم عن حرملة وغيره ـ

(أخبرنا) أبوعبدالله الحافظ ثنا أبوالفضل بن ابراهيم ثنا احمد بن سلمة ثنا اسحاق بن ابراهيم ثنا عفان ثنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني عن عبدالله بن رباح عن أبي هريرة في قصة فتح مكة قال فجاء أبوسفيان فقال يارسول الله ابيدت خضراء قريش لاقريش بعد اليوم فقال من دخل دار أبي سفيان فهو آمن ومن القى سلاحه فهو آمن ومن اغلق بابه فهو آمن ـ اخرجه مسلم في الصحيح من حديث حماد بن سلمة وسليمان بن المغيرة عن ثابت وزاد في حديث سليمان قال فقبل الناس الى دار أبي سفيان واغلق (٢) الناس أبوابهم ـ

(أخبرنا) أبوبكر بن الحارث الفقيه الاصبهاني أنبا أبومحمد بن حيان ثنا عبدالله بن بندار الضبي ثنا محمد بن المغيرة ثنا النعمان بن عبدالسلام عن سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن عبدالرحمن بن فروخ مولى نافع بن عبدالحارث قال اشترى نافع بن عبدالحارث من صفوان بن امية دار صفوان بن امية باربعمائة دار السجن لعمر بن الخطاب ان رضيها وان كرهها اعطى نافع صفوان بن امية اربع مائة قال ابن عيينة فهو سجن الناس اليوم بمكة ـ ويذكر عن عمرو بن دينار انه سئل عن كراء بيوت مكة فقال لاباس به الكراء مثل الشراء قد اشترى عمر بن الخطاب رضي الله عنه من صفوان بن امية دارا باربعة الف (٣) درهم ـ

(أخبرنا) أبو الحسين بن بشران ببغداد أنبا أبوعمرو بن السماك ثنا حنبل بن اسحاق بن حنبل ثنا الحميدي ثنا سفيان قال ثنا

هشام بن عروة وكان عبدالله بن الزبير يعتد بمكة مالا يعتد بها احد من الناس اوصت له عائشة رضي الله عنها بحجرتها واشترى حجرة سودة ـ

(وأخبرنا) أبومحمد عبدالله بن يحيى بن عبدالجبار السكري ببغداد أنبا أبوبكر محمد بن عبدالله الشافعي ثنا جعفر بن محمد بن الازهر ثنا المفضل بن غسان الغلابي حدثني الزبيري قال باع حكيم بن حزام دار الندوة من معاوية بن أبي سفيان بمائة الف فقال عبدالله بن الزبير يا اباخالد بعت مأثرة قريش وكريمتها فقال هيهات يا ابن اخي ذهبت المكارم فلا مكرمة اليوم الا الاسلام قال فقال اشهدوا انها في سبيل الله تبارك وتعالى يعني الدراهم ـ

(أخبرنا) أبو الفتح هلال بن محمد بن جعفر الحفار ببغداد أنبا الحسين بن يحيى بن عياش القطان ثنا احمد بن محمد بن يحيى القطان ثنا عبدالله بن نمير ثنا اسمعيل بن ابراهيم بن مهاجر عن ابيه عن عبدالله بن باباه عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة مناخ لايباع رباعها ولا تؤاجر(۱) بيوتها ـ اسمعيل بن ابراهيم بن مهاجر ضعيف وابوه غير قوى واختلف عليه فروى عنه هكذا وروى عنه عن أبيه عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو مرفوعا ببعض معناه ـ

(وأخبرنا) أبوعبدالله الحافظ ثنا على بن حمشاذ وأبوجعفر بن عبيدالحافظ قالا ثنا محمد بن المغيرة السكرى ثنا القاسم بن الحكم العرنى ثنا أبو حنيفة عن عبيدالله بن أبى زياد عن أبى نجيح عن عبدالله بن عمرو قال قال النبي (۲) صلى الله عليه وسلم مكة حرام وحرام بيع رباعها وحرام اجر بيوتها ـ كذا روى مرفوعا ورفعه وهم والصحيح أنه موقوف قاله لى أبوعبدالرحمن السلمى عن أبى الحسن الدارقطنى ـ

(أخبرنا) هبة الله بن الحسن بن منصور الطبرى الفقيه ثنا محمد بن الحسين القارسى ثنا الحسين بن اسمعيل ثنا سعيد بن يحيى الاموى ثنا عيسى بن يونس ثنا عبيدالله بن أبى زياد ثنا أبو نجيح عن عبدالله بن عمرو انه قال ان الذى يأكل كراء بيوت مكة انما يأكل فى بطنه نارا ـ وكذلك رواه محمد بن ربيعة عن عبيدالله بن أبى زياد بهذا اللفظ موقوفا على عبدالله ابن عمرو ـ

(أخبرنا) أبو عبدالله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن اسحاق الصغانى ثنا أبو الجواب ثنا سفيان عن عمر ابن سعيد عن عثمان بن أبى سليمان عن علقمة بن نضلة الكنانى قال كانت بيوت مكة تدعى السوائب لم تبع رباعها فى زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ابى بكر ولا عمر من احتاج سكن ومن استغنى اسكن ـ هذا منقطع وفيه اخبار عن عادتهم الكريمة فى اسكانهم ما استغنوا عنه من بيوتهم وقد اخبر من كان اعلم بشان مكة منه عن جريان الارث والبيع فيها والله اعلم[1] (۳) ـ

بعض لوگ جو مکہ کے مکانوں کے کرایہ کو مکروہ سمجھتے تھے اس کی کئی وجوہات تھیں مثلاً بعض کا خیال تھا کہ حج کے موسم میں سرے سے تجارت ہی ناجائز ہے۔ اس لیے مکہ کے مکانوں کا کرایہ بھی ناجائز ہے۔ لیکن اس شک کی تصحیح کر دی گئی جیسا کہ سنن بیہقی کی مندرجہ ذیل روایت سے ثابت ہے۔

(اخبرنا) ابوالحسن علی بن احمد بن عبدان انبا احمد بن عبید الصفار ثنا اسمٰعیل بن اسحاق ثنا علی بن عبد اللہ ثنا سفیان عن عمرو بن دینار عن ابن عباس قال کانت عکاظ ومجنة وذوالمجاز اسواقا فی الجاهلية فلما کان الاسلام تأثموا من التجارة فيها فانزل الله عزوجل (ليس عليكم الجناح ان تبتغوا فضلا من ربكم فی واسم الحج ـ رواه البخاری فی الصحيح عن علی بن عبد الله وغيره ـ

---

[1] السنن الکبریٰ مع الجواہر النقی: ۵:۳۵

امام غزالی کا نظریہ

اس سلسلے میں امام غزالی نے ایک اور بات فرمائی ہے۔ مکہ معظمہ میں مقام کرنے کی خوبی اور بُرائی علما میں سے جو لوگ خوف کرنے والے اور احتیاط والے ہیں وہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنے کو تین وجہوں سے بُرا سمجھتے ہیں۔ اول اکتا جانے اور خانہ کعبہ کے ساتھ مساوات ہوجانے کے خوف سے کیوں کہ یہ بات اکثر دل کی حرارت کو جو حرمت کے باب میں ہوتی ہے فرو کرنے میں تاثیر کرتی ہے اور یہی وجہ حضرت عمرؓ حاجیوں کو حج سے فراغت ہونے کے بعد مارتے اور کہتے کہ اے یمن والو اپنے یمن کو جاؤ اور شام والو کو رخصت ہو اور عراق والو عراق کی راہ لو اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے قصد کیا کہ لوگوں کو طواف کی کثرت سے منع فرمادیں اور فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ لوگ کہیں اس گھر سے مانوس نہ ہوجاویں یعنی پھر اس کو حرمت مساوات سے ہوجاوے گی۔ دوسری وجہ مقام کو برا جاننے کی یہ ہے کہ جدا ہونے سے شوق اُبھرتا ہے اور پھر آنے کا سامان جمتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو مثابۃ للناس و آمنا فرمایا ہے اور مثابہ کے معنی یہی ہیں کہ اس کی طرف بار بار آویں اور اپنی غرض اور حاجت پوری نہ کرنے پاویں اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اگر تم کسی اور شہر میں ہو اور تمہارا دل مکہ کا مشتاق ہو اور خانہ کعبہ سے متعلق رہے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تم مکہ میں رہ کر مقام سے اُکتاؤ اور کسی شہر میں تمہارا دل ہو اور بعض سلف کا قول ہے کہ بہت سے آدمی خراسان میں ہیں کہ وہ خانہ کعبہ سے بہ نسبت اس کے طواف کرنے والوں کے قریب ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ کعبہ شریف خدائے تعالیٰ کے تقرب کے لیے ان کا طواف کرتا ہے۔ تیسری وجہ مکہ میں خطاؤں اور گناہوں کے مرتکب ہونے کا خوف ہے کہ اس میں خطرہ ہے اور ضرور ہے کہ جگہ کی بزرگی کی جہت سے خدائے تعالیٰ کے غصہ کا موجب ہو وہیب بن مدکی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حطیم میں نماز پڑھتا تھا میں نے سُنا کہ دیوار کعبہ اور پردہ کے بیچ سے یہ آواز آئی ہے کہ اے جبرئیلؑ میرے گرد طواف کرنے والے جو جہل کی باتیں اور لغو اور لاد کرتے ہیں ان امور سے مجھ کو رنج ہوتا ہے اس کی شکایت میں اوّل اللہ سے کرتا ہوں پھر تم سے کرتا ہوں اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آوینگے تو میں ایک پھریری ایسی لوں گا کہ میرا ہر ایک پتھر اس پہاڑ پر چلا جاوے گا جہاں سے جُدا کیا گیا تھا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شہر مکہ کے سوا ایسا نہیں جس میں عمل سے پیشتر صرف قصد

پر مواخذہ کیا جاوے پھر یہ آیت پڑھی۔ ومن یرد فیہ بالحادٍ بظلم نذقہ من عذاب الیم یعنی یہ عذاب دینا صرف ارادہ کرنے پر فرمایا۔ اور کہتے ہیں کہ مکہ میں جیسی نیکیاں مضاعف ہوتی ہیں ویسی برائیاں بھی مضاعف ہوتی ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے کہ مکہ میں غلہ خرید کر بند کر رکھنا اور گرانی کا منتظر رہنا حرم میں الحاد کرنے کی قسم سے ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جھوٹ بھی اس میں داخل ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اگر میں رُکیہ میں ستر گناہ کروں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں مکہ میں ایک گناہ کروں اور رکیہ مکہ اور طائف کے درمیان میں ایک منزل ہے اور اسی خوف کی جہت سے بعض مقام کرنے والے کی یہ نوبت ہوئی تھی کہ زمین حرمین میں پاخانہ نہ پھرتے تھے بلکہ پاخانہ پیشاب کے لیے زمین حل میں جاتے تھے اور بعض لوگ مہینہ بھر مکہ میں رہے اور اپنے پہلو زمین پر نہ رکھے۔ اور مکہ معظمہ میں ٹھہرنے کی ممانعت کی جہت سے بعض علما نے وہاں کے گھروں کا کرایہ مکروہ فرمایا ہے۔

باقی یہ جو بحث کی جاتی ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے۔ یہ بحث مکان کے کرایوں کے سلسلے میں بیکار ہے۔ کیونکہ جیسے بھی فتح ہوا۔ مکہ کے ساتھ خاص انفرادی سلوک کیا گیا۔ نبی کریم نے فرمایا انتم الطلقاء یعنی تم آزاد ہو۔ کسی کو غلام نہیں بنایا گیا۔ کسی کی زمین یا مکان نہیں چھینا گیا۔ کے تمام مال۔ ملکیت زمین ان کی ہی ملکیت میں رہنے دی گئی۔

مکہ کی خاص حیثیت اور احکام ہیں۔ یہاں تو درخت کاٹنا۔ گھاس کاٹنا بھی منع ہے۔ یہاں کی مٹی باہر لے جانا بھی منع ہے۔ یہ بات اور کسی علاقہ کے لیے خاص نہیں۔ یہاں تو قاتل کو بھی پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ قاتل کو قتل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کہا جائے کہ حدود حرم سے باہر آ جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ پس مکہ کی مثال دیگر علاقوں کے معاملے دینا بالکل غلط ہے۔